ا

سوانح سید الطائفہ

(علامہ سید سلیمان ندویؒ)

تالیف

محمد فرمان ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اوّل

۱۴۴۶ھ مطابق ۲۰۲۴ء

نام کتاب	:	سوانح سید الطائفہ (علامہ سید سلیمان ندویؒ)
تالیف	:	محمد فرمان ندوی
صفحات	:	۲۳۲
قیمت	:	۲۲۰
ناشر	:	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فہرست کتاب

۱	مقدمہ	۱۱
۲	عرض مؤلف	۱۶

باب اول

حالاتِ زندگی

۳	خاندان	۲۱
۴	ولادت اور ابتدائی تعلیم	۲۱
۵	دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ	۲۳
۶	تعلیمی انہماک	۲۵
۷	مضمون نگاری کا آغاز	۲۶
۸	عربی اردو اور فارسی شاعری	۲۷
۹	آخری سال اور جلسہ دستار بندی	۲۸
۱۰	قدیم وجدید حلقوں میں مقبولیت	۲۹
۱۱	ماہنامہ الندوہ کی ادارت	۳۰
۱۲	دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس	۳۱

۱۳	شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی کا قیام	۳۲
۱۴	شعبہ تبلیغ اسلام	۳۲
۱۵	کلکتہ اور پونہ کا قیام	۳۳
۱۶	دارالمصنفین کا قیام اور اس کی نظامت	۳۴
۱۷	دارالمصنفین اور علامہ سید سلیمان ندویؒ	۳۶
۱۸	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ربط وتعلق اور خلافت	۳۹
۱۹	آخری ملاقات اور حضرت تھانویؒ کی وفات	۴۴
۲۰	علامہ سید سلیمان ندویؒ بحیثیت امیر جامعہ وقاضی القضاۃ بھوپال	۴۶
۲۱	ہجرت وقیام پاکستان	۴۹
۲۲	وفات	۵۰
۲۳	ازواج واولاد	۵۲
۲۴	علامہ سید سلیمان ندویؒ مشاہیر کی نظر میں	۵۳
۲۵	اخلاق وعادات، معمولات	۵۴
۲۶	اخلاق وعادات	۵۴
۲۷	معمولات	۵۵

باب دوم

علمی وملی خدمات

۲۸	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور دارالمصنفین	۵۹
۲۹	دارالمصنفین کی تاسیس اور تاسیسی ارکان	۵۹
۳۰	ماہنامہ معارف اعظم گڑھ	۶۰

۳۱	نئے فضلاء کی علمی تربیت	۶۲
۳۲	علامہ سید سلیمان ندویؒ - بحیثیت معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	۶۶
۳۳	سید الطائفہ کی وجہ تسمیہ	۶۶
۳۴	دور معتمدی کے کارنامے	۶۷
۳۵	ندوۃ العلماء میں آخری آمد	۷۱
۳۶	ندوۃ العلماء علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نظر میں	۷۲
۳۷	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ملکی و بین الأ قوامی سرگرمیاں	۷۳
۳۸	مجلس خلافت اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نمائندگی	۷۳
۳۹	جمعیۃ العلماء کا قیام	۷۶
۴۰	حجاز میں انقلاب اور وفد خلافت کی قیادت	۷۷
۴۱	افغانستان کا علمی و تعلیمی سفر	۸۱
۴۲	جامعہ ملیہ کا قیام اور علامہ سید سلیمان ندویؒ	۸۱
۴۳	مسلم یونیورسٹی کا پچاس سالہ جشن اور کورٹ کی رکنیت	۸۳
۴۴	دیگر مذہبی و سرکاری پروگراموں میں شرکت	۸۴
	تصنیفات و رسائل: ایک مطالعہ	۸۷
۴۵	(۱) رسالہ اہل سنت والجماعت	۸۸
۴۶	(۲) تاریخ ارض القرآن	۸۹
۴۷	(۳) خطبات مدراس	۹۰
۴۸	(۴) سیرت النبی ﷺ (سوم)	۹۴
۴۹	(۵) سیرت النبی ﷺ (جلد چہارم)	۹۶

۵۰	(۶) سیرت النبی ﷺ (جلد پنجم)	۹۷
۵۱	(۷) سیرت النبی ﷺ (جلد ششم)	۹۸
۵۲	(۸) سیرت النبی ﷺ (جلد ہفتم)	۹۹
۵۳	(۹) رحمت عالم ﷺ	۱۰۰
۵۴	(۱۰) سیرت عائشہؓ	۱۰۱
۵۵	(۱۱) حیات امام مالکؒ	۱۰۳
۵۶	(۱۲) بہادر خواتین اسلام	۱۰۴
۵۷	(۱۳) حیات شبلی	۱۰۶
۵۸	(۱۴) یادرفتگاں	۱۰۸
۵۹	(۱۵) عرب و ہند کے تعلقات	۱۱۰
۶۰	(۱۶) عربوں کی جہاز رانی	۱۱۲
۶۱	(۱۷) سفرنامہ افغانستان	۱۱۴
۶۲	(۱۸) مقالات سلیمان (جلد اوّل)	۱۱۶
۶۳	(۱۹) مقالات سلیمان (جلد دوم)	۱۱۸
۶۴	(۲۰) مقالات سلیمان (جلد سوم)	۱۱۹
۶۵	(۲۱) شذرات سلیمانی (اوّل، دوم وسوم)	۱۲۵
۶۶	(۲۲) دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت	۱۲۷
۶۷	(۲۳) خیام	۱۲۹
۶۸	(۲۴) لغات جدیدہ	۱۳۴
۶۹	(۲۵) دروس الأدب (حصہ اوّل، دوم)	۱۳۸

۷۰	(۲۶) مکاتیب سلیمان (مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ)	۱۳۹
۷۱	(۲۷) مکتوبات سلیمانی (مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)	۱۴۰
۷۰	(۲۸) تذکرۂ سلیمان (مرتبہ ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ)	۱۴۰
۷۲	(۲۹) خطوط سلیمان (مخطوطہ) (مرتبہ مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ)	۱۴۱
۷۳	(۳۰) مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے (مرتبہ مفتی ظفیر الدین مفتاحی)	۱۴۲
۷۴	(۳۱) خطوط سلیمانی (مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری)	۱۴۲
۷۵	(۳۲) مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندویؒ	۱۴۳
۷۶	(۳۳) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی؟	۱۴۵
۷۷	(۳۴) اسلام اور بہائیت	۱۴۷
۷۸	(۳۵) نقوش سلیمانی	۱۴۸
۷۹	(۳۶) ارمغان سلیمان	۱۵۳
۸۰	(۳۷) علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات (دوجلدیں)	۱۵۳
۸۱	(۳۸) مفردات القرآن للعلامۃ السید سلیمان الندوی	۱۵۶
۸۲	(۳۹) علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ	۱۵۸
۸۳	(۴۰) سلوک سلیمانی (اوّل، دوم)	۱۵۹

باب سوم

علوم وافکار

۸۵	علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ کا قرآنی ذوق اور تفسیری مزاج	۱۶۵
۸۶	علامہ سید سلیمان ندویؒ کا درس قرآن	۱۶۷
۸۷	آیات قرآنی اور فہم سلیمانی: چند نمونے	۱۶۸

۸۸	قرآن کی تفسیر حدیث کی روشنی میں	۱۶۹
۸۹	ترجمۂ قرآن میں مہارت	۱۶۹
۹۰	مقاطع آیات	۱۷۰
۹۱	آیات قرآنی کا باہمی ربط	۱۷۲
۹۲	عمود قرآن	۱۷۳
۹۳	تحقیق الفاظ کی ندرت	۱۷۴
۹۴	نکات قرآنی	۱۷۵
۹۵	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علم حدیث	۱۷۸
۹۶	خدمت حدیث کی متعدد جہات	۱۷۹
۹۷	حجیت حدیث یا فتنۂ انکار حدیث	۱۸۰
۹۸	احادیث قرآن سے ماخوذ ہیں؟	۱۸۰
۹۹	حدیث اور سنت کا فرق	۱۸۱
۱۰۰	لفظ سنت کی تحقیق اور معترض سنت کا تشفی بخش جواب	۱۸۱
۱۰۱	برصغیر اور علم حدیث	۱۸۲
۱۰۲	منصوص مسائل میں جمہور کے مسلک کی رعایت	۱۸۳
۱۰۳	سیرت النبی میں احادیث نبویہ کا ذخیرہ	۱۸۴
۱۰۴	فقہ اسلامی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ	۱۸۵
۱۰۵	فقہی ذوق ومزاج	۱۸۵
۱۰۶	فقہی بصیرت	۱۸۶
۱۰۷	چند فقہی مسائل اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کا موقف	۱۸۹

۱۰۸	فقہ پر کام کا خاکہ	۱۹۲
۱۰۹	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور فن سیرت نگاری	۱۹۴
۱۱۰	سیرت نگاری کا منہج	۱۹۴
۱۱۱	استاذ کے اہم کام کی تکمیل	۱۹۶
۱۱۲	سیرت پر دیگر کتابوں کا جائزہ	۱۹۷
۱۱۳	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور فن تاریخ	۱۹۹
۱۱۴	تاریخی انکشاف	۱۹۹
۱۱۵	شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی	۱۹۹
۱۱۷	تاریخی منصوبے اور ان کی تکمیل	۲۰۰
۱۱۸	علاّمہ سید سلیمان ندویؒ اور عربی زبان وادب	۲۰۶
۱۱۹	علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عربی ذوق	۲۰۶
۱۲۰	دروس الأدب	۲۰۷
۱۲۱	لغاتِ جدیدہ	۲۰۸
۱۲۲	عربی مقالہ نگاری	۲۰۹
۱۲۳	عربی مقدمے	۲۰۹
۱۲۴	عربی میں خطوط نگاری	۲۱۰
۱۲۵	عربی شاعری	۲۱۱
۱۲۶	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور اردو زبان وادب	۲۱۳
۱۲۷	اردو زبان وادب کا ذوق	۲۱۳

۱۲۸	ادبی تصنیفات	۲۱۴
۱۲۹	علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اردو شاعری	۲۱۷
۱۳۰	علامہ سید سلیمان ندویؒ اور اُردو صحافت	۲۲۱
۱۳۱	ماہنامہ الندوہ لکھنؤ	۲۲۱
۱۳۲	ہفت روزہ الہلال کلکتہ	۲۲۴
۱۳۳	ماہنامہ معارف اعظم گڑھ	۲۲۴
۱۳۴	مراجع کتاب	۲۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ
(سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد للّٰہ ربّ العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء وإمام المرسلین ، خاتم النبیین محمد وعلی آلہ و صحبہ ومن تبعھم باحسان إلی یوم الدین ، أما بعد :

آزادی ہند سے قبل ملک پر برطانوی اقتدار قائم تھا، جس میں برطانیہ کے تجویز کردہ تعلیمی نظام پر عمل درآمد کیا جارہا تھا، اور اس میں صرف ظاہری زندگی کی ضرورتوں کو مخصوص رکھا گیا تھا، دیگر اخلاقی و دینی ضرورتوں کو اہمیت نہیں دی گئی تھی، جو کم از کم مسلمانوں کے لئے فکر کی بات تھی، لیکن انسان کے مادی تقاضوں کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی اس کو اختیار کرنے کا رجحان بڑھ رہا تھا، اور جب ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا انقلابی قدم ناکام رہا، تو حکومت کی کامیابی اور علمی وتمدنی کشش نے اس کا رعب اور بڑھا دیا، اس کے ذریعہ مسلمانوں کے ملی اور اخلاقی رجحانات کو بہت نقصان پہونچنے لگا۔

اس کے مقابلہ کے لئے علمائے حق نے دینی تعلیم کا نظام اختیار کیا کہ وسائل کی کمی کے باوجود ملت کی جو دینی قدریں ہیں، کم از کم وہ محفوظ رہ سکیں، اس طرح مسلمانوں میں دو نظام تعلیم رائج ہوگئے، دونوں مقصد ونقطۂ نظر کے لحاظ سے دو متضاد نظام بن گئے، اس کو دیکھ کر ممتاز اہل فکر علماء نے مشورہ کے ذریعہ تعلیم کے ایسے جامع نظام کی ضرورت محسوس کی، جو دونوں کی خصوصیات کا حامل ہو، اس کی عملی شکل ندوۃ العلماء کی صورت میں عمل میں آئی، اس نے اس جامع نظام کو نافذ کرنے کے وسائل وذرائع اختیار کرنے کی دعوت دی، اور خود

ایک ادارہ کی شکل میں اس کو نافذ کیا، جس کے اثر سے ایسے افراد تیار ہوئے، جن کی اعلی مثال مولانا سید سلیمان ندوی اور ان کے ہم عہد رفقاء کی صورت میں ظاہر ہوئی، مولانا سید سلیمان ندوی اس اعلی اور جامع نظام کی مثال بنے، ان کے یہاں ایک طرف مولانا شبلی کی توجہ وتعلیم اور دوسری طرف مولانا تھانوی کی روحانی نسبت اعلی معیار کی ملتی ہے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت چودہویں صدی ہجری کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہوئی، جن سے علم و دعوت، سیاست ملی، تصنیف وتحقیق اور دوسرے میدانوں میں امت نے بڑی رہنمائی حاصل کی، اوران کے علم وفضل سے عوام وخواص نے خاصا فائدہ اٹھایا، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شروع کے فضلاء میں ہوئے، اورزمانہ تعلیم سے ان کی تقریر وتحریر کا شہرہ ہوگیا تھا، ان کی اہم کتاب ''حیات امام مالک'' اس وقت کی تصنیف کردہ کتاب ہے، جب وہ پڑھ ہی رہے تھے، اور طالب علم تھے، وہ طلبہ کے لئے اور اساتذہ کے لئے، مصنفین کے لئے، قائدین کے لئے، اصحاب تربیت وافادہ کے لئے، خواص کے لئے اورعوام کے لئے ایک آئیڈیل اورنمونہ کی شخصیت تھے۔

حضرت سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد الندوہ جیسے بلند پایہ علمی ماہنامہ کے ایڈیٹر ہوئے، اس دور میں انہوں نے علوم وفنون پر ایسے بلند پایہ مضامین لکھے جن سے قدیم وجدید حلقوں میں ان کا علمی وزن قائم ہوگیا، ان مضامین میں اسلام اور اشتراکیت، علم ہیئت اور مسلمان، اسلامی رصد خانہ، مفردات القرآن اورطبقات ابن سعد کا تعارف شامل ہے، اسی زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کو استاذ مقرر کیا گیا، پھر کلکتہ اور پونہ میں چند مہینوں قیام رہا، ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی نعمانیؒ کی وفات کے بعد دارالمصنفین کا پورا نظام سنبھالا، اور علامہ شبلی کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل میں لگ گئے، اس طرح دارالمصنفین سے آپ کی نگرانی میں اہم علمی وتحقیقی کتابیں شائع ہوئیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے، اور ندوۃ العلماء کو اپنے وجود سے فائدہ پہونچایا، انتظامی اور تعلیمی امور کی سرپرستی کی، علامہ سید

سلیمان ندویؒ برصغیر کی ان عظیم علمی شخصیتوں میں تھے، جنہوں نے آزادئ ہند سے قبل حصول آزادی کے لئے کی جانے والی کوششوں میں سنجیدہ علمی وادبی دائرہ میں رہتے ہوئے مؤثر انداز میں شرکت کی، وہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کے رفقاء میں تھے، اور ملک وملت کی دیگر شخصیات سے ان کے گہرے مراسم تھے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کے انتقال کے بعد علامہ شبلی کے مجوزہ خاکوں کے مطابق علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالمصنفین سے ایک علمی وتحقیقی رسالہ معارف جاری کیا اور اپنے اداریوں (شذرات) سے صحافت کے معیار کو اونچا کیا، اور علمی وتحقیقی مضامین لکھے، نئے قلم کاروں کی تربیت کی، اور مصنفین بھی تیار کئے، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کو اپنے مضامین سے بے نقاب کیا، انہوں نے علمی وتحقیقی کتابیں بھی لکھیں، انہی کتابوں میں ''ارض القرآن'' ایک بڑا علمی کارنامہ ہے، یہ قرآنی جغرافیہ پر ایک غیر معمولی کتاب ہے، اور یہ اس ضرورت سے تصنیف کی گئی کہ علاقہائے عرب خصوصاً اس کے وسطی علاقہ کی جغرافیائی تحقیق جدید، محققین جغرافیہ وآثار قدیمہ کی کامل توجہ حاصل نہیں کرسکی تھی، اور مواد کی کمی تھی، اس کمی کا مداوا سید صاحب نے اپنے ممکنہ مطالعہ وتحقیق کے ذریعہ کیا، اور اس کمی کو کمی باقی رہنے نہیں دیا، یہ ایک ایسا کارنامہ ہے، جو اردو زبان کے حصہ میں آیا، یہ ایسا کام تھا جو دنیا کی دیگر زبانوں میں اور خاص طور پر بین الاقوامی زبانوں میں بھی نقل کیا جانا چاہئے، تاکہ یورپ والے دیکھیں کہ علمی تحقیق وکاوش صرف مغربی قوموں میں ہی نہیں ہے، بلکہ ان سے بھی بہتر اور دیانت دارانہ طریقہ سے مسلمانوں کے یہاں موجود ہے۔

جہاں تک ان کی کتاب سیرۃ النبی کا تعلق ہے، اس کی ابتدائی دو جلدیں ان کے استاذ ومربی علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف کردہ ہیں، اور بعد کی پانچ جلدیں خود ان کے قلم سے ہیں، سیرت کے مضامین ومقالات میں مدراس میں دیئے گئے ان کے خطبات بھی بڑے موقع سے ہیں، پونہ کالج کے زمانہ قیام میں اپنی کتاب ''خیام'' تحریر فرمائی، جس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کرسکے گا،

الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا، علامہ اقبال حضرت سید صاحب کے بے حد معترف اور گرویدہ تھے، اور کئی مسائل میں آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ایک خط میں علامہ اقبال لکھتے ہیں: ''مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں، علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج کل ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کون ہے'' ان کے علاوہ ان کی کتاب ''عرب و ہند کے تعلقات'' اور معارف کے ان کے قلم سے نکلے شذرات اور تحقیقات پر مضامین جو ''یادرفتگاں'' کے نام سے شائع ہوئے اپنی الگ اہمیت رکھتے ہیں، قضا کے کام کے لئے ان کی خدمات والیہ ریاست بھوپال نے لیں، اور وہ وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، ان کے فیصلے دین وشریعت پر ان کی گہری نظر کے غماز ہیں، سماجی اور سیاسی طور پر ان کا قد بلند تھا، جوان کی کتابوں ''برید فرنگ'' اور ''سیر افغانستان'' سے بھی ظاہر ہوتا ہے، جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے بھی ان کی خدمات سامنے آئی، اور اس کے اجلاسوں میں ان کی قائدانہ شرکت ہوتی تھی، جب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے دعوت وتبلیغ کا کام خواص وعوام کو شریک کر کے شروع کیا تو اس کی تائید اور تقویت پہنچانے میں بھی وہ آگے رہے۔

تلاش شیخ میں سید صاحب نے حضرت تھانویؒ کو منتخب کیا، چنانچہ لاہور سے واپسی پر پہلی بار ۱۹۳۵ء میں تھانہ بھون گئے، اور حضرت تھانویؒ سے ملاقات کی، اس ملاقات سے حضرت تھانویؒ نے جو اثر لیا اس کو خود ان کے ہی پر کیف الفاظ میں پڑھئے:

''مولانا سلیمان ندویؒ صاحب دفعۃً تشریف لائے، میں مکان پر تھا، سنتے ہی حاضر ہوا، میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض تھا، ملا تو معتدل الخلقت پاکر قلب کو بہت انس ہوا، پھر ملاقات ومکالمت سے ان کی تواضع وسادگی ورعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا۔''

ایک موقع پر تھانہ بھون حاضری میں حضرت حکیم الامت سے چلتے وقت عرض کیا کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے، حضرت کو پہلے تو تردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کرسکتا ہوں، مگر پھر فرمایا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو نصیحت تو میں کیا کرسکتا ہوں، لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں

وہ حاصل فنا وعبدیت ہے، بس جہاں تک ممکن ہو اپنے کو مٹایا جائے، اور اسی کے لئے سارے مجاہدات کئے جاتے ہیں۔ پھر ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۲ء کو سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمائی، خلافت عطا فرما کر حضرت حکیم الامت اس درجہ مسرور ومطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ الحمدللہ مجھے اب کچھ فکر نہیں کہ میرے بعد ایسے لوگ موجود ہیں۔''

علامہ شبلی نعمانیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے الگ الگ میدان عمل میں حضرت سید صاحب نے اکتساب فیض کیا تھا، اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے لکھنؤ وکانپور کے دعوتی سفر میں بھی وہ ساتھ رہے، اور ان کی خصوصیات سے بھی استفادہ کیا، اور علم وتحقیق، درد وسوز، انسانیت کی راستی کی فکر، مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی اور بے چینی خواہ وہ مسلمان دنیا کے کسی حصہ کے رہنے والے ہوں، اور ذکر وفکر، عبادت وریاضت اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جن انعامات واعزازات سے نوازا، ان پر شکر اور جن دنیوی حالات سے ان کو گذرنا پڑا، ان پر صبر نے آپ کو بڑے اونچے مقامات پر فائز کردیا تھا، اور وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو مقام قرب سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے صبر کے مراحل سے بھی گذارتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زندگی اور تربیتی فکر پر مولانا محمد فرمان ندوی صاحب (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی تحریر کردہ یہ نئی کتاب سامنے آرہی ہے، جس میں اچھے سلیس انداز میں مولانا سید سلیمان ندوی کی شخصیت کو پیش کیا گیا ہے۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وعلی آله و صحبه وبارك و سلم تسليما كثيرا كثيرا.

۷/محرم ۱۴۴۲ھ — محمد رابع حسنی ندوی

۱۸/اگست ۲۰۲۱ء — ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عرض مؤلف

الحمد للّٰہ ربّ العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہ و صحبہ أجمعین ، أما بعد !

علامہ سید سلیمان ندویؒ امت اسلامیہ کی ایک عبقری شخصیت تھے، ان کی ذات جامع الکمالات تھی ، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ علوم اسلامیہ کی تشریح وتدوین اور عصری اسلوب میں باطل اعتراضات اور بے جا شکوک وشبہات کے ازالہ کا ایسا مہتم بالشان کام لیا، جو رہتی دنیا تک ان شاء اللہ یادگار رہے گا، وہ ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فاضل اور اس کی نمائندہ اور مثالی شخصیت ہیں، ندوہ کی فکر کی ترجمانی انہوں نے پوری زندگی کی ، اس پر اُن کے خطبات ومقالات اور علمی تصنیفات شاہد عدل ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرت وسوانح اور علوم وافکار پر متعدد اہل قلم نے وقیع اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جو شائقین علم وادب کے لئے مرجع ہیں، ان میں ''تذکرہ سلیمان'' مؤلفہ مولانا غلام محمد حیدرآبادی ساڑھے سات سو صفحات میں ہے، دارالمصنفین نے ''حیات سلیمان'' کے نام سے ایک جامع کتاب شائع کی ، جس کو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے شاگرد مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے بڑی محنت وکاوش سے ترتیب دیا ہے، جناب عبدالقوی دسنوی نے ''یادگار سلیمان'' کے نام سے علامہ سید سلیمان ندوی کی شخصیت وخدمات پر ایک اشاریہ ترتیب دیا ہے، جو اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے شاہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے، ان کتابوں کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مکتوبات سے بھی ان کی زندگی کے اہم گوشوں کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

ندوۃ العلماء سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کا تعلق طالب علم، استاذ اور معتمد تعلیم کے اعتبار سے رہا، ہر دور میں انہوں نے ایک مثالی کردار ادا کیا، زمانہ طالب علمی میں وہ ممتاز طالب علم رہے، اور زمانۂ تدریس میں دارالعلوم میں کامیاب استاذ کا کردار نبھایا، اور دور معتمدی میں اہم خدمات انجام دیں، ان کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء میں ان کی حیات و

خدمات پر سب سے پہلے ایک سمینار منعقد ہوا تھا، جس میں مولانا مناظر احسن گیلانی اور دیگر حضرات شریک ہوئے، دار العلوم ندوۃ العلماء میں ان کی دو قابل ذکر یادگاریں ہیں: ایک رواق سلیمانی جو ان کے نام سے منسوب ہے، اس کا سنگ بنیاد مشہور داعی حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے ۱۹۶۰ء میں رکھا، دوسری بزم سلیمانی (بزم مقالہ) ہے، جس کے تحت طلباء ہفتہ واری جلسوں میں تحقیقی مقالات تیار کرتے ہیں، مزید کتب خانوں، اور ہاسٹلوں کی ذیلی لائبریریوں میں سلیمانیات (مجموعہ کتب علامہ سید سلیمان ندوی) کا پورا سیٹ موجود ہے، جن سے طلباء استفادہ کرتے ہیں، ترانۂ ندوہ (تحریر فرمودہ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ) کا ایک بند ندوہ کی نمائندہ شخصیات سے متعلق ہے، جس کا ایک شعر ہے:

وہ بزم سلیمانی جس نے تحقیق ونظر کا کام کیا
انفاس علی نے روشن پھر، ندوہ کا جہاں میں نام کیا

ان تمام کوششوں کے باوجود ایک ایسی متوسط کتاب کی ضرورت باقی تھی، جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہو اور ان کی خدمات اور علوم وافکار کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہو، راقم کی خوش نصیبی ہے کہ اس کو علامہ سید سلیمان ندویؒ سے متعلق اس کام کی ذمہ داری ندوۃ العلماء کے ذمہ داران کی طرف سے ملی، اور ان کے طے کردہ خطوط کے مطابق اس کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی۔

پیش نظر کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت اور کارناموں پر مرتب کی گئی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اس کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے باب میں ان کے احوال زندگی اور شخصی واقعات بیان کئے گئے ہیں، دوسرے باب میں ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور تیسرے باب میں علامہ ندوی کے علوم وافکار کو موضوع بنایا گیا ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس علمی کام کے اولین محرک مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے سلسلہ علمائے ندوۃ العلماء کے تحت اس کتاب کو تیار کرنے کا مشورہ دیا، بحمد اللہ یہ کتاب ان کی حیات ہی میں مرتب ہوگئی تھی، ابھی منتظر اشاعت تھی کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ تعالی ان کی بال بال مغفرت

فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ حضرت الاستاذ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی صحت وعافیت کے لئے راقم دعا گو ہے کہ راقم الحروف کو ایک عرصہ سے ان کی شفقتوں کے سایہ میں کام کرنے کا موقع ملا، اور ہنوز جاری ہے۔

کتاب کے مقدمہ کے لئے میں نے اپنے محسن ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تھی، حضرت نے اپنی علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود ایک جامع اور قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔ حضرت کے انتقال کے بعد ندوۃ العلماء کے موجودہ ذمہ داران حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء کے سامنے اس علمی کام کا ذکر آیا تو دونوں حضرات نے از راہ عنایت مجلس صحافت ونشریات سے اس کی طباعت کی اجازت دی، فجزاھما اللہ خیر الجزاء۔

خانوادۂ ماجدی کے چشم وچراغ جناب مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی صدر صدق فاونڈیشن خاتون منزل لکھنؤ سے میں نے اس کتاب پر ایک نظر ڈالنے کی درخواست کی، تو بحمد اللہ انہوں نے از راہ محبت پوری کتاب پڑھ کر مفید مشورے دیئے۔ فأحسن اللہ الیہ و جزاہ خیرا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اخلاص نیت کے ساتھ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

راقم الحروف

محمد فرمان ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۵/۱۲/۱۴۴۵ھ

۲۲/۶/۲۰۲۴ء

باب اول

حالات زندگی

باب اول
حالات زندگی

خاندان:

دیسنہ، بہار کا ایک اہم علاقہ ہے، جو قدیم زمانہ سے علماء اور بزرگوں کا مرکز رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ شہاب الدین غوری کے ساتھ سادات کا ایک خاندان اس خطہ میں آ کر آباد ہوا، علامہ سید سلیمان ندویؒ اسی خاندان کے عظیم فرد ہیں، آپ دادیہال اور نانیہال دونوں اعتبار سے سادات میں سے ہیں، آپ کا سلسلہ نسب حضرت زین العابدین بن سیدنا حسینؓ تک پہنچتا ہے، آپ کے والد حکیم سید ابوالحسن ہیں، والدہ ایک نیک سیرت عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، ان سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے: ایک کا نام سید ابوحبیب ہے، وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے تقریباً ۱۹/سال بڑے تھے، وہ ایک عالم اور صاحب نسبت بزرگ تھے، ان کی اولاد میں مولانا سید ابوظفر ندوی ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں مختصر تاریخ ہند بھی ہے، ۱۹۲۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا، دوسرے صاحبزادے علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں:

> ''علامہ سید سلیمان ندویؒ کا خاندانی نام انیس الحسن اور کنیت ابونجیب رکھی گئی، لیکن اسی زمانہ میں ایک رنگونی تاجر ہندوستان آیا، اس کا نام سلیمان ناخدا تھا، اس کی آمد سے پورے ہندوستان میں ایک دھوم مچ گئی، گھر والوں نے محبت سے ابونجیب کو پکار کر کہا کہ ہمارا سلیمان یہ ہے'' (۱)

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ولادت ۴/صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲/نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ

(۱) تذکرۂ سلیمان: ۳۴

ضلع نالندہ ہوئی، گاؤں کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے بھائی سید ابوحبیب سے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۸۹۸ء میں والد صاحب نے پھلواری شریف پٹنہ بھیجا تھا، وہاں شاہ محی الدینؒ سے خصوصی استفادہ کیا، اس زمانہ میں ندوۃ العلماء کی تحریک کا ہر طرف شہرہ تھا، جگہ جگہ اس کے جلسے ہو رہے تھے، چنانچہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ایک خلیفہ مولانا شاہ منور علیؒ نے دربھنگہ میں ندوۃ العلماء کے نہج پر ایک مدرسہ امدادیہ قائم کیا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بعض اعزہ اس کے بڑے مداح تھے، چنانچہ پھلواری شریف میں ایک سال گذارنے کے بعد دربھنگہ گئے، وہاں ہدایہ و دوسری کتابوں کی تعلیم حاصل کی، اور ۱۸۹۹ء تک قیام رہا۔

دربھنگہ کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس زمانہ میں علامہ موصوف منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھ رہے تھے، مولانا ڈاکٹر غلام محمد (خلیفہ مجاز علامہ سید سلیمان ندویؒ) اپنی کتاب تذکرۂ سلیمان میں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس زمانہ میں حضرت والا کو معقولات کی کتابوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی، جب حاضر ہوئے تو مولانا مونگیریؒ نے پوچھا کہ مولوی سلیمان! آج کل کون سی کتابیں زیر درس ہیں؟ جواب میں حضرت والا نے سارے نام معقولات کی کتابوں کے گنائے تو ارشاد فرمایا: ان کتابوں کو پڑھ کر کیا فائدہ ہوگا؟ حضرت نے فوراً عرض کیا کہ ان کو دین کی خدمت کے لئے استعمال کروں گا۔ شیخ عارف نے فرمایا کہ دین تو بس قرآن و حدیث میں ہے، اور وہ ان کتابوں پر منحصر نہیں، مگر افسوس کہ جس کو دینی نصاب کہا جاتا ہے اس میں تمام تر معقولات اور فلسفہ ہی پڑھایا جاتا ہے، اور قرآن و حدیث برائے نام۔'' (۱)

اسی زمانہ میں ندوۃ العلماء کا ساتواں سالانہ جلسہ پٹنہ میں ہوا، علامہ سید سلیمان ندویؒ

(۱) تذکرۂ سلیمان ص: ۴۱۔۴۲

اس میں اپنے والد محترم حکیم ابوالحسن کے ساتھ شریک ہوئے ،اس جلسہ کا ایسا گہرا اثر علامہ سید سلیمان ندویؒ پر پڑا کہ وہی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کا سبب بنا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''۱۹۰۰ء پورا ہو رہا تھا کہ اس مجلس ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بڑے دھوم دھام سے پٹنہ میں ہوا، یہ جلسہ کیا تھا، جوش وخروش کا ایک سمندر تھا، یہ پہلا موقع تھا جب عمامے اور ہیٹ یکجا ہوئے ، علماء اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب دونوں نے ایک پلیٹ فارم پر بیٹھ کر قوم وملت کی چارہ نوازی کی فکریں کیں ، میں بھی اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اس جلسہ میں شریک تھا، میری آنکھوں نے قومی خدمت کا یہ پہلا تماشا دیکھا تھا، میں نے اس جلسہ میں یہ بڑا پُر اثر منظر دیکھا کہ کوٹ پتلون میں ملبوس ایک بیرسٹر تقریر کر رہے تھے، جو خود بھی رو رہے تھے، اور بڑے بڑے جبہ ودستار والے علماء ومشائخ کو بھی رلا رہے تھے.....جلسہ کے اختتام پر میرے شوق نے بال وپر نکالے، اور میں اڑ کر لکھنؤ پہنچا، اور ندوۃ العلماء کی درس گاہ میں داخل ہو گیا ، یہ وہ مقام تھا کہ جو اس وقت ہندوستان کے علماء کا مرکز اور قوم کے بڑے بڑے لوگوں کا مرجع بنا ہوا تھا، یہیں آنکھوں نے سب کچھ دیکھا، اور کانوں نے سب کچھ سنا۔'' (۱)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ اور جلیل القدر اساتذہ سے استفادہ:

۱۹۰۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے ، ابتدائی عربی دوم میں آپ کا داخلہ ہوا، آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد فاروق چریا کوٹیؒ اور مفتی عبداللطیفؒ اور مولانا حفیظ اللہ بندویؒ، علامہ سید عبدالحی حسنیؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ وغیرہ ہیں۔

مولانا محمد فاروق چریا کوٹی اعظم گڑھ کے قدیم خاندان سے تھے ، انہوں نے اپنے بڑے بھائی مولانا رحمت اللہ بانی مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور، مفتی محمد یوسف اور ملا

(۱) ماہنامہ معارف، دارالمصنفین اعظم گڑھ، جولائی ۵۰ء ص:۶۔۷

نعمت اللہ فرنگی محلی سے تعلیم حاصل کی ، کئی مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیں ، دار العلوم ندوۃ العلماء کے صدر مدرس رہے، اکتوبر ۱۹۰۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مفتی عبداللطیف صاحب سنبھل مرادآباد کے رہنے والے تھے، مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں استاذ فقہ پھر صدر مدرس مقرر ہوئے ، کچھ سال یہاں قیام کر کے مونگیر چلے گئے ، اور خانقاہ رحمانی میں تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، اسی درمیان مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ نے ان کو حیدرآباد بلا لیا، اور وہ وہاں شعبۂ دینیات کے سربراہ مقرر ہوئے ، پھر اے ایم او کالج علی گڑھ میں یہی شعبہ سنبھالا ، تاریخ القرآن اور سیرت ابوحنیفہ ان کی یادگاریں ہیں، ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

مولانا حفیظ اللہ بندویؒ اعظم گڑھ کے گاؤں بندی کے رہنے والے تھے، ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے ، ابتدائی تعلیم غازیپور میں حاصل کی ، اس کے بعد علمائے فرنگی محل سے بھی استفادہ کیا، تعلیم سے فراغت کے بعد کاکوری کے ایک مدرسہ میں استاذ مقرر ہوئے ، پھر مدرسہ عالیہ رامپور گئے ، اور ۱۹۰۵ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں صدر مدرس مقرر ہوئے ، کچھ مدت کے لئے ڈھاکہ گئے ، پھر ندوۃ العلماء واپس آئے ، اور اعلی کتابوں کے استاذ مقرر ہوئے ، اور ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء ۱۸۶۹ء میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے ، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ، آپ کا گھرانہ علماء وفضلاء کا گھرانہ تھا، اس کے بعد آپ الہ آباد گئے جہاں مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ سے تعلیم حاصل کی ، حصول علم کے لئے بھوپال کا بھی سفر کیا، شیخ حسین بن محسن یمانیؒ سے حدیث شریف کا درس لیا ، پھر لکھنؤ آئے اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ و دیگر علماء سے علم حاصل کیا، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی مجالس میں شرکت کی ، اسی زمانہ میں کئی مرتبہ حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کیا، ۱۸۹۵ء میں ندوۃ العلماء کی تحریک

سے منسلک ہوئے، اور ۱۹۱۵ء سے تا وفات ۱۹۲۳ء ندوۃ العلماء کے ناظم رہے، اور اسی سال انتقال ہوا، ان کی کتابوں میں نزھۃ الخواطر، گل رعنا، الھند فی العھد الإسلامی، الغناء فی الإسلام، تھذیب الأخلاق، تعلیم الإسلام وغیرہ ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازیپور میں تعلیم حاصل کی، مولانا محمد فاروق چریا کوٹیؒ کے زیر تربیت رہے، حنفیت کے زبردست حامی تھے، اس لئے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کی نسبت لگائی، کچھ مدت کے لئے اورینٹل کالج لاہور گئے، اور عربی ادب میں کمال پیدا کیا، سہارنپور میں مولانا احمد علی سہانپوریؒ سے صحاح ستہ کا خصوصی درس لیا، علامہ شبلی کے والد وکیل تھے، اس لئے اپنے بیٹے کو انہوں نے وکیل بنانا چاہا، ۱۸۸۲ء میں علامہ نے وکالت کا امتحان بھی دیا، لیکن اس پیشہ سے عدم انسیت کی بنا پر علی گڑھ چلے گئے اور سرسید احمد خان کے اینگلو محمڈن اورینٹل کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور یہاں علمی اور تحقیقی کام شروع کئے، اسی دوران ندوۃ العلماء کی تحریک سے وابستہ ہوئے، کچھ عرصہ علی گڑھ اور حیدرآباد میں قیام رہا، پھر ندوۃ العلماء کے لئے یکسو ہو گئے، اور ۱۹۱۳ء تک ندوۃ العلماء سے یہ وابستگی رہی، اس درمیان معتمد تعلیم بھی مقرر کئے گئے، ۱۹۱۴ء میں اعظم گڑھ میں انتقال ہوا۔ ان کی اہم تصنیفات میں سیرۃ النبی، شعر العجم، الفاروق، الکلام، الغزالی، النعمان، المامون، سوانح مولانا روم، اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر وغیرہ ہیں۔

تعلیمی انہماک:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک با مقصد طالب علم کی حیثیت سے وقت گذارا، سارا وقت مطالعہ و درس میں صرف کرتے، خارجی سرگرمیوں میں بہت کم حصہ لیتے، ان کے رفیق قدیم، مشہور فلسفی مولانا عبدالباری ندویؒ رقم طراز ہیں:

> ''سید صاحب کو جہاں تک دیکھا اور سنا اس سے پہلے بھی کتاب کے کیڑے تھے، کھیل کود میں نمایاں شرکت تو قطعاً یاد نہیں آتی، نہ میل جول اور سیر

وتفریح کی عادت تھی.....سید صاحب کو طالب علمی ہی کے زمانہ میں پڑھتے اور کتب بینی کرتے اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں زیادہ پایا، ہر طرح کی چیزیں پڑھتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ خوب چبا چبا کر ہضم کرتے ہیں۔''(۱)

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ لکھتے ہیں:

''ادب سے سید صاحب کو خاص دلچسپی تھی، ان کے ذوق وشوق اور مولانا فاروق صاحب یگانۂ فن استاذ کے درس سے سید صاحب کی استعداد بڑھنے لگی، وہ درس کے علاوہ خارج اوقات میں بھی مولانا فاروق سے استفادہ کرتے تھے، سید صاحب ان کو کاپی میں نوٹ کر کے ذہن نشین کرتے تھے، ان کی صحبت میں ادبی مسائل پر جو گفتگو ہوتی، اس کو دماغ میں محفوظ رکھتے تھے، مولانا شبلی مرحوم نے سفر نامۂ مصر وشام کے آخر میں عربی کے نئے الفاظ کی جو فہرست دی ہے، اس کو زبانی یاد کرلیا تھا، دار الاخبار میں عربی کے جو اخبارات ورسالے آتے تھے، ان کا پابندی سے مطالعہ کرتے تھے، ان کا ذوق دیکھ کر مولانا فاروق بھی ان کی جانب خاص توجہ کرتے تھے، اور ان کی افتادِ طبیعت کی بنا پر قیس کا لقب دیا تھا، اس لئے چند ہی دنوں میں سید صاحب کا شمار ممتاز طلبہ میں ہونے لگا''(۲)

مضمون نگاری کا آغاز:

علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک بامقصد طالب علم تھے، وہ طلب علم کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرتے تھے، درس میں شرکت کے ساتھ مطالعہ کی وسعت بھی ان کے اندر پائی جاتی تھی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے اپنے اساتذہ سے مشورہ کر کے کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، طلباء کی انجمن میں پابندی سے شرکت کرتے، اور اردو اور عربی میں تقریریں بھی کرتے تھے، اور مضمون اور مقالہ بھی لکھتے، مصنف حیات سلیمان رقمطراز ہیں:

''سید صاحب نے ۱۹۰۳ء میں ایک مضمون ''علم اور اسلام'' کے

(۱) معارف سلیمان نمبر ۸۲۔۸۳ (۲) حیات سلیمان: ۱۷

عنوان سے اپنے وطن دیسنہ کی انجمن الاصلاح میں پڑھا، جو بہت پسند کیا گیا، اور علی گڑھ منتھلی میں چھپا، اس کے بعد جب ۱۹۰۴ء میں الندوہ نکلا، تو مضمون نگاری کا مستقل سلسلہ شروع ہو گیا، اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم ناظم ندوۃ العلماء کی فرمائش پر الندوہ کے لئے دو مضمون ایک علم حدیث اور دوسرا منطق پر لکھا، ان میں پہلا مضمون الندوہ میں شائع ہوا، لکھنؤ کے مشہور اخبار اودھ پنچ میں آزاد اخبار کے نام سے خبروں کا ایک ضمیمہ الگ ہوتا تھا، سید صاحب کبھی کبھی اس کے لئے عربی اخبارات سے ترجمہ کر کے دیتے تھے۔''(۱)

عربی اردو اور فارسی شاعری:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالعلوم میں داخلہ کے بعد اپنی عربی صلاحیت پختہ اور مستحکم کر لی، ندوۃ العلماء کی علمی فضا ان کے لئے بڑی ساز گار رہی، عربی زبان وادب کے اساتذہ سے خوب کسب فیض کیا، اور قدیم وجدید مراجع کو پڑھا، نیز عربی اخبارات ورسائل کا مطالعہ کیا، جس سے ان کے پاس الفاظ اور تعبیرات کا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا، اور عربی زبان روانی کے ساتھ بولنے اور لکھنے لگے، ابھی دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے کہ ۱۹۰۳ء میں نواب محسن الملک تشریف لائے، اور طلباء کا امتحان لیا، اور ان سے عربی اخبارات پڑھوا کر سنے، علامہ سید سلیمان ندویؒ اس امتحان میں اول آئے اور انہوں نے نواب صاحب کی شان میں ایک عربی قصیدہ بھی لکھا، جس سے نواب صاحب اور دیگر حضرات بڑے متأثر ہوئے۔

اردو زبان وادب میں بھی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دوران طالب علمی کمال پیدا کیا، طلباء کی ثقافتی سرگرمیوں میں ذوق وشوق سے حصہ لیتے تھے، اس زمانہ میں طلباء شعر و سخن کی مجلسیں بھی منعقد کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ ان میں شریک ہوتے اور اپنے اشعار پیش کرتے تھے، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ لکھتے ہیں:

(۱) حیات سلیمان: ۱۷

''اس زمانہ میں لکھنؤ میں امیر مینائی کا رنگ چھایا ہوا تھا، سید صاحب بھی اس سے متأثر تھے، ان کا دیوان مرآۃ الغیب اکثر ان کے مطالعہ میں رہتا تھا، اور یہ تأثر آئندہ بھی قائم رہا، اس زمانہ کا ایک شعر یادگار ہے:

سر سے قدم تلک ہے ، ردائے حیا پڑی
حاجت ہی کیا ہے آپ کو صاحب نقاب کی'' (۱)

علامہ شبلیؒ نے جب ۱۹۰۵ء میں ندوۃ العلماء میں مستقل قیام کیا تو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کی خیر مقدمی کا ایک قصیدہ فارسی زبان میں کہا، جس کا آخری شعر ہے:

دلیل فضل ممدوحت زمدح تو ہویدا شد
بہ پیش مور سر نہ نہی کہ ہنام سلیمانی

آخری سال اور جلسہ دستار بندی:

۱۹۰۷ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے تعلیمی سلسلہ کے آخری سال میں تھے، لکھنؤ کے رفاہ عام کلب (نزد سٹی اسٹیشن) میں دارالعلوم کا جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، اس میں ملک کے طول وعرض سے علماء، دانشوران قوم وملت اور اہل فکر ونظر موجود تھے، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے عربی زبان میں ایسی برجستہ تقریر کی کہ پورا مجمع محو حیرت ہو گیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا (شبلی) نے اس جلسہ میں پیش کرنے کے لئے اپنے منتہی طلبہ کو بعض عنوانات دے کر پر اثر تقریر کی ہدایت فرمائی، مجھی مولوی ضیاء الحسن مرحوم نے قرآن مجید کے اعجاز و بلاغت پر اور راقم نے علوم جدیدہ و قدیمہ کے موضوع پر تقریر کی، اسی تقریر کے دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس نے جلسہ کو تماشا گاہ اور شائقین کو آئینۂ حیرت بنا دیا، راقم کی تقریر

(۱) حیات سلیمان: ۱۸ (۲) حیات سلیمان: ۲۴

کے درمیان کسی نے اٹھ کر کہا: اگر یہ تقریر عربی میں کریں تو بے شبہ ندوہ کی تعلیمی کرامات کا ہم یقین کریں، مولانا حسب قاعدہ جلسہ سے باہر چلے گئے تھے، مولوی سید عبدالحی مرحوم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کر سکتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، اور عربی میں تقریر شروع کی، جلسہ پر ایک سماں چھا گیا، مولانا کو باہر یہ خبر ملی تو فوراً اندر آئے اور میرے پاس کھڑے ہو کر مجھ سے دریافت کیا کہ اگر تم کو اسی وقت کوئی موضوع دیا جائے تو تم اس پر تقریر کر سکتے ہو، میں نے پھر اثبات میں جواب دیا، تو مولانا نے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس طالب علم نے جو تقریر کی اس کی نسبت بعض بدگمانی کر سکتے ہیں کہ یہ گھر سے تیار ہو کر آئے تھے، اس رفع بدگمانی کے لئے اگر کوئی صاحب چاہیں تو اسی وقت کوئی موضوع دے سکتے ہیں، یہ اس پر تقریر کریں گے۔

موضوع کے تقرر کے لئے لوگوں نے خواجہ غلام الثقلین مرحوم کا نام پیش کیا، جو اس زمانہ میں لکھنؤ میں وکالت کرتے تھے، اور جلسہ میں موجود تھے، انہوں نے یہ موضوع مقرر کیا کہ ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہو؟'' میں نے اس موضوع پر اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے، ہر طرف سے اُحسنت و آفریں کی صدائیں بار بار بلند ہو رہی تھیں، استاذ مرحوم نے جوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر میرے سر پر باندھ دیا، جو اس خاکسار کے واسطے ہمیشہ کے لئے طرۂ افتخار بن گیا۔'' (۱)

قدیم و جدید حلقوں میں مقبولیت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے علاوہ کسی اور مرکزی درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی، ان کی علمی صلاحیت اتنی پختہ تھی کہ ہر مجمع اور محفل میں اپنا لوہا منوا لیتے تھے، جدید و قدیم دونوں حلقوں میں ان کا بڑا علمی وزن تھا، یہی وجہ ہے کہ قدیم

(۱) حیات شبلی: ۴۴۵۔۔۴۵۰

حلقہ کی طرف سے ان کو خلافت و بیعت کا تمغہ ملا تو جدید حلقہ نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ رقم طراز ہیں:

''سر شاہ سلیمان وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ان کے علمی کمالات کے اعتراف میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کرنی چاہی، اس تجویز کی منظوری انہوں نے انتظامیہ سے لے لی تھی، لیکن ان کی زندگی میں یہ ممکن نہ ہوا، چنانچہ فروری ۱۹۴۳ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں ڈاکٹر ضیاء الدین کی وائس چانسلری میں یہ ڈگری تفویض کی گئی۔''(۱)

ماہنامہ الندوہ کی ادارت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۰۷ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء سے تکمیل درسیات کی، اس کے بعد ہر طالب علم کے لئے ایک نازک مرحلہ آتا ہے کہ وہ کیا کرے، اس کا ذاتی ذوق وشوق کچھ اور ہوتا ہے اور گھر والے کچھ اور سوچتے ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بزرگوں نے خاندانی پیشہ طبابت سے ان کو وابستہ کرنا چاہا، علامہ شبلیؒ سے انہوں نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو علامہ شبلیؒ نے ان کو لکھا کہ ان کو میرے حوالہ کیجئے، ان کو خدا نے دوسرے کام کے لئے بنایا ہے، واضح رہے کہ علامہ شبلیؒ نے زمانہ طالب علمی ہی میں الندوہ کے بعض کام ان کے حوالہ کر رکھے تھے، اس لئے ان کو الندوہ کا سب اڈیٹر مقرر کیا۔(۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک اس کے سب اڈیٹر رہے اور علامہ شبلی و مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی چیف ایڈیٹر تھے، اس دوران انہوں نے جو مضامین لکھے ان کی

(۱) حیات سلیمان: ۴۹۶۔۴۹۷) (۲) الندوہ دار العلوم ندوۃ العلماء کا ترجمان اور علمی رسالہ تھا، ۱۹۰۴ء میں جاری ہوا، اس کے اڈیٹر علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی تھے، اور ملک کا معیاری رسالہ تھا، علمی مباحث ومقالات اس میں شائع ہوتے تھے، طلبائے دار العلوم کو اس سے خاطر خواہ فائدہ پہونچا، مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اسی کے ذریعہ مضمون نگاری سیکھی۔

ایک فہرست درج کی جارہی ہے:

''۱۹۰۷ء (۱)علم ہیئت اور مسلمان (۲)عربی زبان کی وسعت (۳)برنابا کی انجیل (۴)بحرالعلوم

۱۹۰۸ء (۱)مسئلہ ارتقاء اور قرآن مجید (۲)ابن خلکان (۳)ایمان بالغیب (۴)جرجی زیدان کی تمدن اسلامی پر تنقید

۱۹۰۹ء (۱) مکررات القرآن (۲) اسلامی رصد خانے (۳) سود اور صحف انبیاء (۴)تحریم شرب (۵)علمائے سلف میں کتب بینی کا شوق

۱۹۱۰ء(۱)ندوہ کے لئے ایک کتب خانہ کی ضرورت (۲) کتب خانہ اسکندریہ

۱۹۱۱ء (۱)اشتراکیت اور اسلام (۲)مذہب اسلام اور عقل (۳)اسماء القرآن (۴)الاحتساب فی الاسلام

۱۹۱۲ء (۱)فرقہ حنفیہ عقائد میں کس کا مقلد ہے؟ (۲)عذاب''(۱)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس:

الندوہ کی ادارت کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندویؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی انشا کے استاذ مقرر ہوئے، اور ۱۹۰۹ء میں نائب ادیب بھی مقرر ہوئے، اس طرح ۱۹۰۸ء سے ۱۹۱۳ء تک ان دونوں ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے عربی زبان کی تدریس کے دوران محسوس کیا کہ نئی نسل کو عربی پڑھانے کے لئے غیر ملکی کتابیں پیش نظر رکھی جاتی ہیں، کیوں نہ ندوۃ العلماء کے نہج کے مطابق کچھ نصابی کتابیں تیار کردی جائیں، چنانچہ دروس الأدب کے نام سے دو حصے تیار کئے، جو مدارس کے نصاب میں داخل کئے گئے، اور اب بھی ان سے استفادہ جاری ہے، دوسرا اہم کام یہ کیا کہ عربی اخبارات ورسائل کو حل کرنے کے لئے لغات جدیدہ کے نام سے ایک لغت کی کتاب ترتیب دی، جس میں

(۱) حیات سلیمان: ۳۲۔۳۳

اخبارات کے مروّجہ الفاظ کے معنی ذکر کئے گئے ہیں، ان سے عربی سیکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نمایاں شاگردوں میں مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا ابواللیث ندوی، مولانا ابوالعرفان خان ندوی، مولانا مجیب اللہ ندوی وغیرہ ہیں، ان میں سے بعض نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں علامہ موصوف سے باضابطہ درجہ میں تعلیم حاصل کی، اور بعض وہ ہیں، جنہوں نے دارالمصنفین اعظم گڑھ میں قیام کر کے خاص خاص کتابیں پڑھی۔ مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں: ''دسمبر ۱۹۳۳ء جنوری ۱۹۳۴ء میں دارالمصنفین بھی حاضری ہوئی تھی، باضابطہ شاگردی کا موقع بھی نصیب ہوا، محمد ناظم صاحب اور ابواللیث صاحب بھی ساتھ تھے، ہم تینوں قرآن مجید اور حجۃ اللہ البالغۃ کا درس لیتے۔''(۱)

شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی کا قیام:

انگریزوں نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو ایسا مسخ کر دیا تھا کہ اسلامی دور کے حقائق بدل گئے تھے، اوران کو انہوں نے نصاب میں بھی شامل کر دیا تھا، جن کو پڑھ کر نئی نسل میں عجیب احساس کہتری پیدا ہونے لگا تھا، ضرورت تھی کہ نصاب اور نصاب سے باہر جہاں جہاں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے، اور قابل اعتراض باتیں لکھی گئی ہیں، ان کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جائے، چنانچہ ندوۃ العلماء میں ایک شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی قائم کیا گیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کے سکریٹری منتخب کئے گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ملک کے اندر پڑھائی جانے والی نصابی کتب کا جائزہ لیا، اوراس کوشش میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی۔

شعبہ تبلیغ اسلام:

ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد میں اشاعت اسلام ہے، اس کے لئے زبان پر دسترس حاصل کرنا ضروری امر تھا، چنانچہ مصادر شریعت سے واقفیت کے لئے عربی زبان پر عبور

(۱) معارف سلیمان نمبر ۱۹۵۴ء، ص: ۱۳۴۔۱۵۶)

حاصل کرنا ندوۃ العلماء کے نصاب کا لازمی جزء قرار پایا، اسی کے ساتھ دیگر مروّجہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے پر ندوۃ العلماء نے زور دیا، انگریزی، سنسکرت کے سیکھنے کا اہتمام ہوا، ندوۃ العلماء کے زمانہ قیام میں آریہ سماج کی طرف سے شدھی کرن کی جو تحریک چلی تھی، اس کا اثر زور پکڑتا جارہا تھا، انھوں نے نومسلموں کو جو اسلامی مسائل سے واقف نہیں، اور بعض کے نام ہندوانہ تھے دوبارہ ہندومت کی طرف لے جانے کی ناپاک حرکت شروع کی، اور دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر یلغار شروع کیا، اس خطرناک حملہ سے ندوۃ العلماء کے ذمہ داران متأثر تھے، چنانچہ انہوں نے شعبہ تبلیغ اسلام قائم کیا، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اس کا جوائنٹ سیکریٹری بنایا، بحمداللہ اس شعبہ نے اپنی بساط کے مطابق کام کیا اور اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

کلکتہ اور پونہ کا قیام:

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ۱۳/ جولائی ۱۹۱۳ء کو بعض وجوہات کی بنا پر ندوۃ العلماء کے منصب معتمد تعلیم سے استعفیٰ دے دیا، تو ندوہ میں ایک عجیب ماحول پیدا ہوگیا، اسٹرائک کی صورت حال تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی ان حالات سے دل برداشتہ ہوئے، اس لئے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال سے وابستہ ہوگئے، اور بقول شخصے: ''الہلال کو بدر کامل بنایا''، الہلال میں شائع شدہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند مضامین کے عنوانات ذکر کئے جارہے ہیں، تاکہ ان کی علمیت وافادیت کا اندازہ لگایا جاسکے:

(۱) عربی زبان اور علمی اصطلاحات (اگست وستمبر ۱۹۱۳ء) (۲) علوم القرآن (فروری ومارچ ۱۹۱۴ء) (۳) الجزیۃ فی الاسلام (۴) تذکرہ نزول قرآن (۵) حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق (۶) قصص بنی اسرائیل (۷) مشہد اکبر۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کلکتہ کو مستقل قیامگاہ نہیں بنایا، ۱۹۱۴ء کے آغاز میں پونہ کے دکن کالج (گورنمنٹ کالج) میں فارسی کے استاذ مقرر ہوئے، اور سو روپئے تنخواہ مقرر ہوئی، وہاں کے اسٹاف میں پروفیسر عبدالقادر صاحب بڑے ذی علم تھے، جن کی علامہ شبلیؒ

(۱) حیات سلیمان: ۶۱۔۶۲

سے قدیم واقفیت تھی تو انہوں نے علامہ سید سلیمان ندویؒ پر خاص توجہ کی، کام کا وقت صرف دو گھنٹے تھے، سنیچر اور اتوار کو چھٹی تھی، فرصت کے لمحات کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے غنیمت جانا، اور سیرت عائشہؓ کی تالیف شروع کر دی، اسی درمیان علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک یہودی سے عبرانی زبان سیکھی اور انگریزی زبان کو مضبوط کیا۔ ابھی پونہ میں ایک سال بھی نہیں گذرا کہ علامہ شبلی کی وفات کا حادثہ پیش آیا، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ پونہ کی ملازمت کو ترک کر کے دارالمصنفین آئے، اور اس کے مجوزہ نقشہ میں رنگ وروغن بھرنا شروع کر دیا۔

دارالمصنفین کا قیام اور اس کی نظامت:

دارالمصنفین کا تخیل علامہ شبلیؒ کے ذہن میں ۱۹۱۰ء میں آیا تھا، اور انہوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس دہلی کے موقع پر اس کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا: ''قومی و مذہبی ضروریات میں جس قدر ایک قومی مدرسہ، ایک قومی کالج، ایک قومی یونیورسٹی کی ضرورت ہے، اسی قدر ایک کتب خانہ کی بھی ضرورت ہے، اگر مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے علوم، مسلمانوں کی قومی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے، تو ضرور ہے کہ ایک ایسا کتب خانہ بہم پہونچایا جائے جس میں علوم مذہبی کے متعلق نادر اور بیش بہا تصانیف موجود ہوں، جس میں مسلمانوں کے ایجاد کردہ علوم وفنون کا کافی سرمایہ ہو، جس میں ہر فن کے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جو اس فن کے دور ترقی کے مدارج ہیں، جس میں قدماء کے عہد کی یادگاریں ہوں، اور ان سب باتوں کے ساتھ یہ کتب خانہ کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، بلکہ وقف عام ہو، تاکہ ہندوستان کے مسلمان اور بالخصوص مصنفین واہل قلم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ تجویز کہ ندوہ میں ایک دائرۂ تالیف قائم کیا جائے، جس کے ارکان کا کام صرف مطالعۂ کتب اور تصنیف وتالیف ہو، جس طرح یورپ میں اکاڈیمیاں ہوتی ہیں یہ بھی اسی وقت پوری ہوسکتی ہے، جب کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کرایا جائے۔(۱)

(۱) حیات شبلی: ۶۸۸

مہینوں، بلکہ برسوں کے بعد علامہ شبلیؒ نے یہ طے کیا کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں اپنے بنگلہ میں قائم کیا جائے، چنانچہ مولانا مسعود علی ندویؒ سے اس سلسلہ میں مراسلت بھی کی، وہ انتظامی امور کے لئے ہر طرح سے تیار تھے، کئی سال پہلے، علامہ شبلی نے ندوہ کے زمانہ قیام میں سیرت النبیؐ کا خاکہ بھی بنالیا تھا، اور کچھ کام بھی شروع ہوگیا تھا، ندوہ سے مستعفی ہونے کے بعد سیرت تحریر کرنے کا داعیہ شدید ہوا، چنانچہ دارالمصنفین کی بنیادی فکر کے ساتھ سیرت النبی کی تکمیل میں بھی مصروف رہتے تھے، اس درمیان ضعف اور کمزوریٔ صحت کا عارضہ رہا، نومبر کا مہینہ شروع ہوا، علاج ومعالجہ میں کوئی کمی نہیں رہی، لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''، زندگی سے مایوسی کی کیفیت طاری ہوئی، سیرت النبیؐ کا مسودہ ایک چھوٹی چادر میں بندھوا کر الماری میں مقفل کرادیا، اور اعزہ کو وصیت کی کہ یہ مسودے حمید الدین یا سید سلیمان کے سپرد کئے جائیں، اور ان دو کے سوا کسی اور کو ہرگز نہ دیئے جائیں، اور وفات سے دو تین پیشتر مولانا حمید الدین صاحب کو حیدرآباد، مولانا آزاد کو کلکتہ اور علامہ سید سلیمان ندوی کو دیسنہ بلانے کے لئے تار بھیجے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کو تار تو نہیں ملا، لیکن بلا اطلاع طبیعت کی بے قراری کی وجہ سے علامہ مرحوم کی زیارت کے لئے چل پڑے اور ۱۵ر نومبر کو اعظم گڑھ پہونچ گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی میں لکھتے ہیں:

> ''طاقت جواب دے چکی تھی، میں سرہانے کھڑا تھا، میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مولانا نے آنکھیں کھول کر مسرت سے میری طرف دیکھا، اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ اب کیا رہا، پھر زبان سے دوبار فرمایا: اب کیا، اب کیا، لوگوں نے جواہر مہرہ پانی میں گھول کر ایک چمچہ پلایا، جس سے جسم میں پوری طاقت آگئی، تو معاہدہ کے طور پر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: ''سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے، سب کام چھوڑ کر سیرت تمام کرو،'' میں نے بھرائی آواز میں کہا: ''ضرور ضرور''
>
> ۱۶ر کو مولانا حمید الدین بھی تشریف لائے، جن کے مولانا ابتدا سے منتظر تھے، ۱۷ر کی صبح کو مجھے اور انہیں یاد فرمایا، اور زبان سے تین مرتبہ

سیرت، سیرت، سیرت کہا، پھر انگلی سے لکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:
سب کام چھوڑ کے''(۱)

بالآخر علامہ شبلی ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو دار فانی سے عالم جاودانی کو منتقل ہوئے، اور عصر کے قریب اپنے بنگلے کے ایک گوشے میں سپرد خاک ہوئے۔إنا للّٰه وإنا إليه راجعون .

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاذ کا مرثیہ ''نوحہ استاذ'' کے عنوان سے لکھا، اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

''اے متاع عزت پیشیں کے پچھلے کارواں
آہ وہ بھی مٹ گیا باقی تھا جو تیرا نشاں
شام اقبال گذشتہ ، مقطع عہد سلف
شمع بزم صحبت آخر ، نشان رفتگاں
علم وفن کا عشق تھا جس کی طبیعت کا خمیر
صفحۂ قرطاس جس کا فخر قومی کا نشاں
عالم اسلام میں تھا اک وہی روشن دماغ
آہ اس تاریک خانہ کا وہی تھا ایک چراغ''(۲)

دارالمصنفین اور علامہ سید سلیمان ندویؒ:

انتقال کے تیسرے دن مولانا حمید الدین فراہیؒ کی دعوت پر ایک مجلس منعقد ہوئی، جس میں مولانا حمید الدین، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا شبلی متکلم ندوی شریک ہوئے، ان سب ارکان نے دارالمصنفین کے قیام اور سیرت کی تکمیل پر زور دیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ پونہ کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے

(۱) حیات شبلی: ۲۳ (۲) حیات شبلی ص: ۸۴

اور اعظم گڑھ میں مستقل قیام کیا، اور کام کا آغاز کیا، دار المصنفین کا باقاعدہ آغاز ۱۹۱۵ء کے آخر سے ہوا، اور سیر الصحابہ سے اس کی ابتدا کی گئی، اور سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتابیں ارض القرآن اور مکاتیب شبلی شائع ہوئیں۔

چونکہ دار المصنفین میں تحقیق وطباعت کا مہتم بالشان نظام قائم ہونے والا تھا اس لئے پریس کو قائم کرنے کی شدید ضرورت تھی، چنانچہ معارف پریس قائم کیا گیا، اور ۹ رجون ۱۹۱۶ء سے اس پریس کا باقاعدہ آغاز ہو گیا، اسی پریس سے جولائی ۱۹۱۶ء میں ماہنامہ معارف کا پہلا شمارہ شائع ہوا، رسالہ کے ایڈیٹر علامہ سید سلیمان ندویؒ تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ پہلے اداریہ کے ابتدائیہ میں رقمطراز ہیں:

> ''رسالہ کا پہلا نمبر ہم رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں شروع کرتے ہیں کہ ہمارے علوم ومعارف کی سب سے پہلی کتاب اسی ماہ مقدس میں نازل ہوئی تھی: شهر رمضان الذی أنزل فیه القرآن الندوہ سے رخصت ہوکر پانچ مہینے کے بعد آج ہم پھر پبلک میں آتے ہیں اور معارف کے نام سے ایک دوسرا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند'' (۱)

ماشاءاللہ معارف اعظم گڑھ نے اپنی عمر کے ایک سو آٹھ سال پورے کر لئے ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کے شذرات شروع ہی سے لکھتے رہے، جو تین جلدوں میں شذرات سلیمانی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ علامہ شبلی کی وفات کے بعد سے ۱۹۴۵ء تک دار المصنفین میں رہے، اور ناظم کی حیثیت سے سارے امور کی نگرانی کرتے رہے، اس درمیان دار المصنفین کو ملکی سطح پر، بلکہ عالمی سطح پر جو مقبولیت اور اعتماد حاصل ہوا، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مخلصانہ کوششوں، علمی جانفشانیوں کو خاص دخل ہے، دار المصنفین کے

(۱) شذرات سلیمانی: ج ۱/۷

مقاصد کے مطابق رسالہ معارف کا اجرا، علمی اور تحقیقی کتابوں کی اشاعت، افرادسازی کا مہتم بالشان کام اور مثبت سرگرمیوں میں تعاون واشتراک عمل یہ وہ نمایاں کام ہیں جو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے قیام دارالمصنفین کے دوران کیے، اوراس کی شہرت کواوج ثریا پر پہونچادیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بھوپال کے زمانۂ قیام تک تو معارف کی مجلس ادارت میں ان کا نام شائع ہوتا رہا، لیکن جب ۱۹۵۰ء پاکستان منتقل ہوگئے تو قانونی طور پر اس نام کو باقی رہنے میں دشواری تھی، اور خود علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالمصنفین انتظامیہ کو مشورہ دیا کہ اس کی رجسٹرڈ باڈی میں تبدیلی کرلی جائے، علمی نظامت کے سلسلہ میں مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کا نام پیش کیا، اور عملی نظامت جیسے مولانا مسعود علی ندوی کرتے تھے، وہی کریں، اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کو مجلس دارالمصنفین کی صدارت دے دی جائے، مولانا شاہ معین الدین ندوی حیات سلیمان میں لکھتے ہیں:

''ان ہدایات کے مطابق نئی تنظیم عمل میں آئی، اور سید صاحب کو اس کی اطلاع دے دی گئی، اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''دارالمصنفین میں آپ لوگوں نے جو طے کیا، اس پر راضی ہوں، اور درگاہ الٰہی میں داعی ہوں کہ اس کو دارالمصنفین کے حق میں مفید ونافع بنائے:

سپردم بہ تو مایۂ خویش را تودانی حساب کم و بیش را

(میں نے تو اپنا سارا سرمایہ تمہارے حوالہ کردیا ہے، اب تم جانو اور تمہارا کام)

مجھ کو آپ کی قائم مقامی سے ویسے ہی مسرت اور طمانینت ہے جو کسی روحانی وجسمانی خلف الصدق کی جانشینی سے ہوسکتی ہے، خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی موت کے بعد کے دارالمصنفین کا نقشہ دیکھ لیا، اب آپ جہاں تک ہوسکے، دین وملت کی خدمت سمجھ کر اس کام کو انجام دیں، اور ساتھ ہی اپنے رفقائے کار کی تیاری میں مصروف رہیں، تاکہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ یوں ہی جلتا رہے، اور استاد مرحوم کا سلسلہ قائم رہے۔

معارف میں آپ کے شذرات پڑھے، الحمد للہ آپ نے شذرات کے وقار کو قائم رکھا،''س''(سلیمان) ''ش''(شاہ معین الدین احمد) میں شاید ہی کسی کو فرق ہو''(۱)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ربط وتعلق اور خلافت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا خاندان علماء وصلحاء کا خاندان تھا، نسبی لحاظ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے، مزید یہ کہ صوبہ بہار میں خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا ایک بڑا سلسلہ ہے، حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری سے لے کر علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زمانہ تک بڑے بڑے علماء اور مشائخ صوبۂ بہار میں پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے اپنے دور میں روحانی ودینی تربیت کے مراکز قائم کئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بچپن میں خانقاہ مجیبیہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، اور دربھنگہ کے زمانہ قیام میں ان پر حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی نگاہ کیمیا اثر پڑ چکی تھی، اس لئے تزکیہ واحسان اور تصوف وسلوک کی طرف مائل رہے، اور اس کی لَو کو کبھی کم ہونے نہیں دیا، تعلیمی وتربیتی زندگی کے بعد علمی زندگی شروع ہوئی اور اس میں خاصا انہماک رہا، لیکن اندر ہی اندر یہ چنگاری شعلہ زن ہوتی رہی، اور تلاش مرشد جاری رہی۔

اسی دوران معلوم ہوا کہ خانوادۂ مجددیہ کی ایک ربانی شخصیت حضرت مولانا محمد حسن سندھ کے علاقہ میں اصلاح وتربیت میں مشغول ہیں، لیکن ان سے ملاقات کی کوئی شکل نہیں پیدا ہوئی، پھر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے شیخ حضرت مولانا محمد حسین حیدرآبادیؒ بافیض شخصیت ہیں، مولانا گیلانی نے بھی چاہا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ان سے تعلق قائم ہو جائے، تقدیری امر یہ کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک موقع پر حیدرآباد تشریف لے گئے، اور علامہ موصوف نے ان سے ملاقات بھی کی، لیکن طبیعت کا میلان نہیں ہوا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے لئے اصل کشش حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی شخصیت

(۱) حیات سلیمان: ۵۹۰۔۵۹۱

تھی، وہ اس دنیا میں موجود نہیں تھے، مولانا ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ لکھتے ہیں:
اسی لئے تلاش شیخ ایک لاینحل مسئلہ بن گیا تھا، خود فرماتے ہیں:

''کامل دس برس تک چپکے ہی چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا، لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درمانی کر سکے، بعض بزرگ ملے بھی، تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی، بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے۔''(۱)

اسی دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے مراسلت کی غیبی صورت پیدا ہوگئی، مفتی عبداللطیف استاذ تفسیر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے ایک رسالہ لکھا، جس میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ سود صرف بیع وشراء میں ہوتا ہے، قرض کی صورت میں اس کا تحقق نہیں ہوتا ہے، مثلاً کوئی سو روپئے لے کر سوا سو یا کم وبیش وصول کرے، لہذا قرض میں نفع لینا جائز ہے، اور وہ ربا نہیں ہے، اس رسالہ سے عوام میں گمراہی کے عام ہونے کا اندیشہ تھا کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے بھانجے مولانا ظفر احمد تھانویؒ سے ایک رسالہ لکھوایا، اور اس کا نام کشف الدجی عن وجہ الربا تجویز فرمایا، (اب یہ رسالہ امداد الفتاوی ج ۳ میں موجود ہے)۔ حضرت تھانویؒ نے مولانا ظفر احمد تھانویؒ کو ہدایت فرمائی کہ اس پر علمائے عصر کی تصدیقات حاصل کر لی جائیں، مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے ایک نسخہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں بھیجا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بجائے مولانا ظفر احمد تھانوی کو خط لکھنے کے حضرت تھانوی کو خط لکھا اور اسی میں اصلاح نفس کا ذکر بھی ضمنی طور پر چھیڑ دیا، پھر طرفین کی طرف سے مکاتبت جاری ہوگئی، لاہور کے ایک سفر سے واپسی میں ۱۹۳۵ء میں علامہ ندوی کی حضرت تھانویؒ سے تھانہ بھون میں ملاقات ہوئی، حضرت تھانویؒ پر اس کا کیا اثر مرتب ہوا، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لے آئے، میں مکان پر تھا، سنتے ہی حاضر ہوا، میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض

(۱) تذکرۂ سلیمان: ۹۳

تھا، ملاتو معتدل الخلقت پاکر بہت انس ہوا، پھر ملاقات ومکالمت سے ان کی تواضع وسادگی ورعایت جلیس کو دیکھ کرتو مسخر ہی ہوگیا، گیارہ بجے تشریف لائے، تین بجے واپس تشریف لے گئے، مجلس میں بہت دیر تک ثناخوانی کرتا رہا۔‘‘(۱)

حضرت مولانا عبد الباری ندویؒ اور مولانا عبد الماجد دریابادیؒ حضرت تھانوی کے چشمۂ فیض سے وابستہ حضرات میں تھے، وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو بھی اپنا ہم مشرب بنانا چاہتے تھے، جولائی واگست ۱۹۳۸ء میں حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ تھانہ بھون میں مقیم تھے، اس مرتبہ کھل کر باصرار علامہ سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ بس آپ میری اس حاضری کے زمانہ میں ہمت فرما کر آہی جائیں، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ پروگرام کے مطابق تھانہ بھون پہونچے، لیکن حضرت تھانوی سے ملاقات مقدر نہ تھی، حضرت تھانویؒ علاج کے لئے لکھنؤ پہنچ چکے تھے، پھر علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھنؤ کا سفر کیا، حضرت تھانویؒ کا قیام مولوی محمد حسن کاکورویؒ کے مکان پر تھا، بیماری کی وجہ سے عام ملاقات کا سلسلہ تو بند تھا، لیکن جب حضرت کو علامہ سید سلیمان ندویؒ کی آمد کا پتہ چلا تو آپ کو بلالیا، اس طرح وسط اگست ۱۹۳۸ء میں دس سالہ کوشش کے بعد یہ تمنا پوری ہوئی، لکھنؤ کے چار روزہ قیام میں حضرت تھانویؒ کی مجالس میں شرکت ہوتی رہی، اور عقیدت میں اضافہ ہوتا رہا، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عارفانہ شعر ہے:

دیر سے آیا ہوں ساقی، دور سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھ کو جو عطائے عام ہے

لکھنؤ حاضری کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کی طبیعت پورے طور پر حضرت تھانویؒ کی طرف متوجہ رہی، اور بار بار تھانہ بھون حاضری کا شوق بڑھتا رہا، ایک مرتبہ علامہ سید سلیمان ندویؒ تھانہ بھون حضرت تھانوی کے پاس گئے، مجلس لگی ہوئی تھی، حضرت تھانویؒ کے قریب بیٹھے، اس کے بعد کیا ہوا، اس کو اشرف السوانح کے مصنف کے قلم سے پڑھئے:

(۱) حکیم الأمت: نقوش وتأثرات: ۴۳۸

''ایک مشہور ندوی فاضل اتفاقاً چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور چلتے چلتے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائے، حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں، پھر اللہ تعالی نے فوراً میرے دل میں ایک مضمون ڈالا، جو بعد کو معلوم ہوا کہ ان کے بالکل مناسب حال تھا، میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کرسکتا ہوں، لیکن ہاں میں نے اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں، وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فنا اور عبدیت ہے، بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے، بس اسی کے لئے سارے ریاضات ومجاہدات کئے جاتے ہیں، اور بس اپنی ساری عمر فنا وعبدیت کی تحصیل میں گذار دینی چاہئے، اس تقریر کا ان پر اس درجہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہوگئے''(۱)

اس قلبی وروحانی مناسبت کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بیعت کی درخواست کردی، حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''پچاس خطوط لکھیں تو پھر انشاء اللہ، پھر فرمایا: خواہ روزانہ یا صبح وشام خطوط لکھ کر یہ وعدہ پورا کردیجئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ۲۵۔۳۰ رخطوط سے زیادہ نہیں لکھے گئے کہ حضرت تھانویؒ نے ایک حاضری کے موقع پر بیعت کرلی، اور فرمایا: ''الحمدللہ میرے حصہ میں سارے عقلاء ہی آئے ہیں''۔

اس بادۂ علم ومعرفت کو پینے کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ پر خاص کیفیت طاری ہوگئی، اپنا جائزہ، محاسبہ اور فکر آخرت غالب ہوگیا، ایک مکتوب میں مولانا مسعود عالم ندویؒ کو لکھتے ہیں: ''واہ واہ کا مزا بہت اٹھا چکا، اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا، اب تو آہ آہ کا دور ہے، اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے''(۲)، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ معارف سلیمان نمبر میں لکھتے ہیں: ''وہ صبغۃ اللہ میں بالکل رنگ گئے تھے، ومن أحسن من اللّٰہ صبغۃ، اور ان میں بڑا روحانی انقلاب ہوگیا تھا، ان کے خیالات میں

(۱) اشرف السوانح ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ برقی پریس لکھنؤ (۲) مکاتیب سلیمان: ۱۱۹

بڑا تغیر پیدا ہو گیا، اور ان کی تقریروں اور تحریروں کا رنگ بھی بدل گیا۔''(۱)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: ''ہمارے مولانا سید سلیمان ندوی ایسے وقت جاگے جب جگانے والا خود نیند میں تھا''، مزید لکھتے ہیں: ''مولانا ندوی کا شمار دیکھتے ہی دیکھتے اصحاب الیمین ہی میں نہیں، مقربین میں ہونے لگا''(۲)

مولانا ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ لکھتے ہیں: ''ایک مرتبہ حکیم الامتؒ نے ایک چھڑی تحفۂ محبت کے طور پر بھیجی اور اس کے ساتھ ایک رقعہ بھی، جس میں خطاب اس بلیغ جملہ سے فرمایا: راحت جان راحت جسم کا سامان بھیج رہا ہوں، حضرت سیدی نے اس عطائے شیخ کو دل و جان سے قبول فرما کر جواباً عرض کیا کہ: اس عطائے خاص سے میں نے استقامت فی العمل کی تعبیر نکالی، حضرت شیخ قدس سرہ سے جب یہ عارفانہ جواب پڑھا تو انبساط سے معمور ہو گئے اور اس کا ایک طویل جواب عطا فرمایا، جو تمام تر دعاؤں سے لبریز تھا''(۳)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اگست ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے، اور اکتوبر ۱۹۴۲ء میں وہ گھڑی آ گئی جس میں حضرت نے خلافت سے سرفراز فرمایا، مولانا غلام محمد حیدرآبادی نے لکھا ہے: ''حکیم الأمت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا، استخارہ سے تائید و تقویت پائی، پھر حضرت والا کے نام سے ایک مکتوب لکھا، جس کا عنوان تھا: استشارہ بعد از استخارہ، اس میں لکھا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں، میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کر لیا ہے، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟ حضرت والا فرماتے تھے کہ چونکہ دو تین ہی روز میں تھانہ بھون کی حاضری کا قصد تھا، اس لئے میں نے اس گرامی نامہ کا جواب نہیں دیا، بلکہ تھانہ بھون حاضر خدمت بھی ہوا، تو خاموش ہی رہا، آخر ایک دن حضرت والا (حکیم الأمت) کی طرف سے ایک پرچہ ملا کہ: آپ نے میرے استشارہ کا جواب نہیں دیا، اس اصرار پر میں نے جواباً یہ عرض کر دیا کہ حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر

(۱) سلیمان نمبر معارف: ۳۴ (۲) حکیم الامت: ۵۳۶ (۳) تذکرۂ سلیمان: ۱۴۸

قدموں تلے سے زمین نکل گئی، کہاں میں اور کہاں یہ ذمہ داری۔

اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے سید والا مرتبت کو سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمادی، اور مسند ارشاد پر ان کو متمکن فرمادیا، پھر اپنی حیات میں بعض اپنے زیر تربیت افراد کو بھی اپنے خلیفہ مجاز کے سپرد فرمادیا، یہ واقعہ ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۲ء کا ہے۔ اس بات کے راوی حافظ عثمان صاحب دہلویؒ ہیں جو خود بھی حکیم الأمت کے فدائی اور خلیفہ مجاز تھے کہ حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت والا (حکیم الأمت) اس درجہ مسرور و مطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ الحمدللہ مجھے اب کچھ فکر نہیں، میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں، مرشد اور وہ بھی مرشد تھانوی جیسے شیخ محقق کی نگاہ تحقیق میں یہ اعتبار کوئی معمولی امتیاز ہے؟''(۱)

آخری ملاقات اور حضرت تھانویؒ کی وفات:

اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مسلسل تھانہ بھون آمد و رفت رہی، اور روحانی استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، حضرت تھانویؒ کی علالت کی خبریں مسلسل آرہی تھی، اس لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھوپال میں ایک پروگرام میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے کچھ روز تھانہ بھون بھی قیام کا پروگرام بنایا، چنانچہ جون ۱۹۴۳ء کے آخر میں تھانہ بھون کے لئے روانہ ہوئے، اور حضرت سے ملاقات کی، حضرت کی طبیعت چونکہ علیل تھی، اس لئے عام ملاقات کی بالکل اجازت نہیں تھی، ۱۱/جولائی کو تھانہ بھون سے روانگی کا نظام تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو فرمایا: جاؤ، خدا کے سپرد کیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ بھوپال پہونچ گئے، اور وہاں کے پروگرام میں شریک ہوئے، ابھی بھوپال ہی میں قیام تھا کہ ۱۹۔۲۰/جولائی کی شب میں حضرت حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رحلت فرمائی۔ إنا للّٰه و إنا إليه راجعون۔

اس کی تفصیل علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے پڑھئے:

''خاکسار اب تک بھوپال میں تھا، عنایت الٰہی دیکھئے کہ عین شب

(۱) تذکرۂ سلیمان: ۱۵۴

وصال کوخواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب (برادرزادۂ حکیم الأمت) مجھ سے فرمارہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہوگئی، صبح اٹھ کر میں نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کو یہ خواب بیان کیا، دونوں چپ رہے، مفتی صاحب ۲۱/ جولائی اور خاکسار ۲۲/ جولائی کو بھوپال سے روانہ ہوئے، میں ۲۳/ جولائی کو دوپہر کو لکھنؤ پہنچا، اور ندوہ آیا، حادثہ سے بالکل بے خبر تھا، مدرسہ پہنچنے کے بعد میرے بچے سلمان سلمہ نے سب سے پہلے خبر دی:

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما " (۱)

اس موقع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''رحلت شیخ'' کے نام سے ایک نظم کہی:

داغ فراق یار مٹایا نہ جائے گا — اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
حرف دم وداع ''خدا کے سپرد ہو'' — تا آخر حیات بھلایا نہ جائے گا
اے دل خموش صبر و رضا کا مقام ہے — نقش دوام فیض مٹایا نہ جائے گا
پیر مغاں نہیں ہے، مگر میکدہ تو ہے — جام وسبو یہاں سے ہٹایا نہ جائے گا
یونہی بچھا رہے گا یاں خوانِ فیض عام — جب تک ہیں میہمان بڑھایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ — یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

اس کے علاوہ ماہنامہ معارف میں ''موت العالم موت العالم'' کے عنوان سے ایک پراثر مضمون لکھا، جس کا ایک اقتباس نذر قارئین ہے:

''محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲/ سال تین ماہ دس روز جل کر رجب ۱۳۶۲ھ کو ہمیشہ کے لئے بجھ گیا:

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

(۱) یادرفتگاں: ۲۹۸

یعنی حکیم الأمت، مجدد طریقت، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرض ضعف واسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹، ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی شب کو ۱۰ر بجے نماز عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا، اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں و مستفیدوں کو غمگین ومہجور چھوڑا، إنا للّٰه و إنا إليه راجعون۔

اب اس دور کا خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور مولانا یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی یادگار تھا، اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق وشوق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا'' (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ بحیثیت امیر جامعہ وقاضی القضاۃ بھوپال:

ریاست بھوپال ملک کی تمام ریاستوں میں دینی تعلیم اور دینداری میں ممتاز ریاست تھی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اخلاف میں مولانا عبد القیوم بن مولانا عبد الحی بڈھانوی کے ذریعہ یہاں علم کی مشعل روشن ہوئی، اور تصوف وسلوک میں حضرت شاہ رؤوف احمد مجددی خلیفہ شاہ غلام علی دہلویؒ نے معرفت الٰہی کو عام کیا، پھر اس کی نمایاں شخصیت منشی جمال الدین خان اور نواب صدیق حسن خان قنوجی کے زمانہ میں اس میں خاصا اضافہ ہوا، بھوپال علماء، اہل کمال کا مرکز بن گیا، یہاں تک عرب بھی کھنچ کھنچ کر بھوپال آئے اور استفادہ کیا، نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ نے دینی تعلیم کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا تھا، جس کے زیر انتظام بہت سے مدارس تھے، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ وہ زوال پذیر تھے، نواب حمید اللہ خان بڑے باشعور اور دینی مزاج رکھنے والے حکمراں تھے، انہوں نے عربی مدارس کی اصلاح وتنظیم کی طرف توجہ کی، اس اہم کام کے لئے انہوں نے

(۱) یادرفتگاں: ۲۸۳

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا انتخاب کیا، ان کی صدارت میں وہ علماء کی ایک کمیٹی پہلے بنا چکے تھے، تاکہ وہ مدارس کے لئے نیا نصاب بنائے اور ان کی اصلاح و تنظیم کی طرف توجہ کرے، اس تناظر میں انہوں نے امیر جامعہ کا عہدہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو پیش کیا، اس سے پہلے وہ قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی پیش کر چکے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اس سے پہلے مسلم یونیورسٹی، عثمانیہ یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف بڑے بڑے تعلیمی عہدے پیش کئے جا چکے تھے، لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ نے انکار کر دیا تھا، وہ دارالمصنفین چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن نواب صاحب کا اصرار جاری رہا، اس لئے اس شرط پر کہ دارالمصنفین سے تعلق بدستور قائم رہے گا، اور اس کی دیکھ بھال کے لئے وقتاً فوقتاً آتے رہیں گے، جون ۱۹۴۶ء میں امیر جامعہ اور قاضی القضاۃ بھوپال کا عہدہ قبول کر لیا، ایک ہزار تنخواہ، سواری کا الاؤنس، اور پانچ سو سلسلۂ دارالتصنیف کے لئے طے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندوی اپنے ایک مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریابادیؒ میں لکھتے ہیں:

> ''۱۶/جولائی کو میں نے دارالقضاء اور مدارس عربیہ کا چارج لے لیا، دارالقضاء میں زیادہ تر مقدمات نکاح وطلاق، خلع وتفریق اور ولایت اور کبھی کبھی قصاص کے ہوتے ہیں، مدارس کی حالت بہت خراب ہے، دین و مذہب کا تو نام نہیں، ادھر پوری توجہ کر رہا ہوں'' (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھوپال میں چار سال قیام کیا، اس دوران محکمہ قضاء اور مدارس عربیہ کی اصلاح و تنظیم کرتے رہے، درس قرآن رمضان میں پورے اہتمام سے اور عام دنوں میں گاہے ماہے دیتے تھے، موتی مسجد میں یہ سلسلہ اور جمعہ کے خطابات کا سلسلہ بھی قائم تھا، اسی دوران ۱۹۴۹ء میں حج بیت اللہ کا ارادہ ہوا، اکتوبر کے مہینہ میں حج کے لئے روانہ ہوئے، رباط بھوپال میں قیام کا نظام تھا، لیکن سلطان عبدالعزیز بن سعود نے اس کو پسند نہیں کیا اور ان کو اپنا مہمان خاص بنایا، حج کے ارکان ادا کئے، مکہ مکرمہ میں آپ پر جو احوال

(۱) مکتوبات سلیمانی: ج ۲/۱۷۹

وکیفیات طاری ہوئیں ان کوایک نظم میں قلم بند کیا،اس کے چند بند نذر قارئین ہیں:

دیدۂ دل اگر ہو باز ، راز رہے نہ راز میں
جھانکتی ہیں حقیقتیں آئینہ مجاز میں
ان کے کرم کے ہیں نثار ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم نیاز میں
حبش و تتار وہندو شام ، سرخ رخ وسیاہ فام
عشق نواز ہر مقام آئے ہیں سب حجاز میں
دل کونصیب ہوگداز ، جان کوعطا ہوسوز وساز
ہے یہ دعا بصد نیاز درگہ نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار، آنکھ عطا ہو اشک بار
دھوئے جو دل کو بار بار خلوت خاص راز میں

حج بیت اللہ کے بعد مدینہ منورہ گئے ، وہاں بارگاہ نبوی میں ہدیۂ عقیدت ان الفاظ میں پیش کیا:

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے
مکی مدنی ہاشمی و مطلبی ہے
پاکیزہ تر از عرش و سما جنت فردوس
آرام گہہ پاک رسول عربی ہے
آہستہ قدم ، نیچی نگہ پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے
اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ
بے قاعدہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی کی
محبوب خدا ہی ہے جو محبوب نبی ہے
بجھ جائے ترے چھینٹوں سے اے ابر کرم آج
جو آگ مرے سینے میں مدت سے دبی ہے (۱)

۱۵؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو جدہ سے ہندوستان سے کے لئے واپسی ہوئی،، اس دوران معلوم ہوا کہ بھوپال میں سیاسی انقلاب آچکا ہے، اور ریاست ختم ہوچکی ہے، اور وہ انڈین یونین میں شامل ہوچکی ہے، ایسے حالات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بھوپال میں قیام بڑا صبر آزما تھا، اس لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے رخصت لے لی اور علٰحدگی اختیار کر لی اور اپنے داماد سید حسین صاحب کے پاس کانپور میں قیام کیا۔

ہجرت وقیام پاکستان:

قیام پاکستان کے بعد سے وہاں کے ارباب حکومت علامہ سید سلیمان ندویؒ کو پاکستان بلانا چاہتے تھے، وہاں مارچ ۴۹ء میں ایک قرارداد پاس ہوئی تھی، جس کی رو سے دستور پاکستان کو کتاب وسنت کے مطابق کرنا تھا، ایک پانچ رکنی کمیٹی قائم ہوئی، جس کی صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ذمہ تھی، اس کے ارکان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، پروفیسر عبدالخالق مرحوم اور جعفر حسن، اور علامہ سید سلیمان ندوی تھے، اس کی تفصیل ڈاکٹر غلام محمد خلیفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں پڑھئے:

''حضرت علامہ قدس سرہ کے نام حکومت پاکستان کی طرف سے دعوت نامہ جاری ہوا، اس وقت حضرت والا قاضی القضاۃ (بھوپال) کے عہدے پر فائز تھے، اور ہجرت پاکستان کا کوئی خیال ان کے ذہن میں نہ تھا، اس لئے کہ دارالمصنفین وہاں (ہندوستان) تھا، محبوب استاذ کی خوابگاہ وہیں تھی، اور ارض پاک بطحا کے بعد اپنی خوابگاہ کے لئے جو زمین محبوب تھی

(۱) حیات سلیمان: ص ۵۳۴۔۶۳۶

وہ بھی اسی کے قریب مسجد کے سامنے درخت کے نیچے تھی ، اس قلبی انجذاب کے علاوہ عقلی طور پر ترک قیام مناسب نہ تھا ، پریشان حال اور لاچار بھارتی مسلمانوں کی ڈھارس جن دو چار ہستیوں سے بندھی تھی ان میں ایک حضرت کی ذات اقدس بھی تھی''(۱)

بھوپال ریاست ختم ہو چکی تھی ، وہاں ملازمت کے امکانات معدوم تھے، دارالمصنفین میں واپسی کی بظاہر کوئی باصرار کوشش نہیں تھی، دیسنہ آبائی وطن سے بھی کوئی تعلق نہیں رہا، مزید برآں علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اطلاع ملی کہ آپ کی نواسی کراچی میں سخت بیمار ہیں ، اور صاحبزادی بھی ولادت کے بعد سخت عارضہ سے دوچار ہیں ، اسی درمیان علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ایک تار ملا کہ ایک خیر سگالی وفد پاکستان جا رہا ہے، جس میں آپ کا نام ہے اور اس کا اجازت نامہ تیار ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ دہلی پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ وفد جا چکا ہے، کافی زحمتوں کے بعد حکومت کی طرف سے جاری اجازت نامہ پر کسی طرح جانے کی اجازت ملی ، ظاہر ہے کہ یہ سفر ایک ہنگامی اور عارضی تھا، لیکن اللہ تعالی کی طرف سے کچھ اور ہی مقدر تھا، چنانچہ یہ عارضی سفر مستقل قیام کا پیش خیمہ بنا، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تا وفات وہیں قیام کیا، اور اپنے اہل خانہ کو بھی کراچی بلا لیا۔ اور وہاں اسلامی دستور کے خاکہ کی ترتیب میں شریک ہوئے اور دیگر علمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

وفات:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے علم و معرفت ، اخلاص وللّٰہیت ، خدمت دین و ملت سے معمور زندگی گذاری، مسلسل علمی اور ملی کاموں کے ہجوم سے ہندوستان ہی میں آپ کی صحت خراب ہو گئی تھی ، اور ہجرت پاکستان کے بعد بھی انھیں مشغولیات میں روز و شب گذرتے رہے، تنفس ،اور قلب کے عوارض سے دوچار تھے ، بالآخر ۲۳ر نومبر ۱۹۵۳ء کو ساڑھے سات بجے کراچی میں قلبی دورہ پڑا، اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی، اناللہ

(۱) تذکرہ سلیمان ص: ۲۱۷

وانا الیہ راجعون۔مولانا ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ کا بیان ہے:

''میں حضرت والا کے مواجہ میں اس طرح بیٹھا تھا کہ دست مبارک میرے ہاتھ میں تھا، میری انگلیاں ان کی نبض پر اور نظریں جمال مبارک پر جمی ہوئی تھیں، پاس ہی سلمان میاں تصویر وحشت بنے ہوئے تھے، عاصم صاحب نے فوراً ڈاکٹر صاحب کو ٹیلیفون کیا،.....میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ہلکا سا جھٹکا تنفس کا محسوس ہوا، جیسے بجلی آئی ہو، چہرہ پر خون کی لہر دوڑ گئی، اور بس طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اتنا کٹھن مرحلہ اس آسانی اور سکینت وسرعت سے طے ہوگیا کہ گویا گرہ کھل گئی'' (۱)

صبح آٹھ بجے جنازہ کی نماز ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قبر کے متصل آپ کی تدفین عمل میں آئی۔رحمه الله رحمة واسعة وأسبغ عليه شآبيب رحمته ، وأنزله فی جنات الفردوس ، وتقبل جهاده وجهوده فی سبيل الحق ۔

انتقال کے موقع پر متعدد شعراء نے اپنے منظوم تأثرات پیش کئے، مولانا سید احمد عروج قادری کے مرثیہ کے چند اشعار نذر قارئین ہیں:

گلشن سیرت میں جس کے دم سے آئی تھی بہار
اے دریغا چل بسا دنیا سے وہ سیرت نگار
وہ محقق جس کی باتیں دل نشیں و بے غبار
جس کا نامہ نور افشاں جس کا خامہ زر نگار
وہ مؤرخ جس کی تاریخی سند کا اعتبار
جس کے تصنیفی ذخیرے سیم و گوہر ورکنار
سرور دنیا و دیں کا ذکر جس کا مشغلہ
سیرت پیغمبر برحق ہے جس کا شاہ کار

(۱) تذکرہ سلیمان:۲۹۴

آخری شب کی طراوٹ جس کے چہرے سے عیاں
جس کی نورانی جبیں پر نور باطن آشکار
جس کے لب پہ دم بہ دم اللہ ہی اللہ تھا
آہ رخصت ہو گیا وہ عابد و شب زندہ دار
میرے بس میں بس دعا ہے تیری احساں کا صلہ
میں بھی ممنون کرم ہوں سید عالی تبار
ماہ و انجم رہرووں کے رہنما جب تک رہیں
تیری خاک پاک پر ہو رحمت پروردگار(۱)

ازواج واولاد:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تین شادیاں ہوئیں: پہلی شادی چچا زاد بہن سے ہوئی، ان سے کئی اولادیں ہوئیں، ایک صاحبزادے ابو سہیل مقیم پاکستان اور ایک صاحبزادی سیدہ زندہ رہیں، ان بی بی صاحبہ کا ۱۹۱۷ء میں تیرہ سال علامہ موصوف کے ساتھ گذارنے کے بعد انتقال ہو گیا۔

دوسری شادی ۱۹۲۰ء میں والد اور چچا کے اصرار پر کی، مگر ڈھائی سال کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا، اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

تیسری شادی ۱۹۲۳ء میں مظفر پور اعظم گڑھ کی ایک بیوہ سے ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی اور چار صاحبزادیاں شمیمہ، شکیلہ، شمسیہ اور تارا ہیں، چاروں کی شادی علامہ سید سلیمان ندویؒ کی حیات میں ہو گئی تھی، شمیمہ کی شادی چچیرے بھتیجے سید ابو عاصم کے ساتھ ہوئی، یہ کراچی میں تھے، شکیلہ کی شادی سید حسین الہ آبادی سے ہوئی، شمسیہ کی شادی بہار کے ڈاکٹر عطاء اللہ مقیم کراچی سے ہوئی تھی، چوتھی صاحبزادی تارا کی شادی محی الدین مقیم کراچی سے ہوئی، محی الدین صاحب کا شادی کے چند دنوں کے بعد

(۱) حیات سلیمان: ۶۹۴۔۶۹۵

انتقال ہوگیا، اس کے بعد دوسرا عقد پاکستانی نوجوان سے ہوا، اور مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی کی شادی میمن خاتون سے ہوئی'' (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ مشاہیر کی نظر میں:

(۱) علامہ اقبال کہتے ہیں: ''مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں، علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سید سلیمان ندوی کے علاوہ اور کون ہے'' (۲)

(۲) مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں: ''آپ ایک آفتاب علم وعمل تھے، جو غروب ہوگیا، آپ زہد وتقوی کا مینار تھے، جو گر گیا، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی ارفع اور خاص مقام پر فائز تھے، آپ بیک وقت عظیم محقق، مدبر، مورخ، مصنف اور عارف تھے، حضرت حکیم الأمت تھانویؒ کے مخصوص ترین خلفاء میں سے تھے، آپ ایک جامع کمالات تھے، مذہب وسیاست میں یکساں مہارت حاصل تھی، اوران کی قیادت پر ہر طبقہ اعتماد کرتا تھا، آپ جیسی شخصیات کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں'' (۳)

(۳) مولانا ماہر القادری رقم طراز ہیں: ''بدوشعور ہی سے جن اہل قلم اور ارباب علم کا میں نے نام سنا اور جن کی تصانیف اور مضامین کا میں نے اثر قبول کیا ہے، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی میں شامل ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم نے دس بیس سال نہیں، پچاس سال تک دین اور علم وادب کی گرانقدر خدمت انجام دی ہے، علامہ شبلی نعمانی کے سجادۂ علم وفضل کو انہی نے سنبھالا، اور اپنے استاذ کی جانشینی کا حق ادا کر دیا'' (۴)

(۴) مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں: ''سید صاحب میں علمی کام کرنے کا بڑا ولولہ اور اس کی قوت (Energy) تھی، وہ ہر تصنیف کو اس طرح مکمل کرنا چاہتے تھے گویا یہ زندگی کی اصلی اور آخری تصنیف ہے'' (۵)

(۵) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھتے ہیں: ''علامہ سید سلیمان ندویؒ نے علمی تحقیق کا وہ اعلیٰ طریقہ اختیار کیا، جو تحقیق کے اعلیٰ ترین علمی معیار پر پورا اترتا ہے (۶)

---

(۱) حیات سلیمان: ۶۰۰ (۲) علامہ اقبال، اقبال نامہ ص: ۱۶۶ (۳) چند عظیم شخصیات مفتی محمد شفیع عثمانی ص: ۵۵-۵۶ (۴) یادرفتگاں ص: ۲۸۲، ماہر القادری (۵) پرانے چراغ ج ۱/۴۹ (۶) یادوں کے چراغ ۲/۲۹۹

اخلاق، عادات ومعمولات

اخلاق وعادات:

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ لکھتے ہیں:

''علامہ سید سلیمان ندویؒ فضائل اخلاق کا پیکر تھے، لینت ونرمی، حلم وعفو، متانت و سنجیدگی، تواضع وخاکساری ان کے صحیفۂ اخلاق کے جلی عنوانات ہیں:

''طبعًا نرم خو اور متحمل مزاج تھے، ناگوار سے ناگوار باتیں سن کر پی جاتے تھے، غصہ میں ان کا عمل " والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس " پر تھا، غصہ کی حالت میں بھی ان کی زبان ناروا کلمہ سے آلودہ نہ ہوتی تھی، ان کے غصہ کا اظہار عموماً چہرے کے تغیر تک محدود رہتا، زبان سے بہت کم اظہار ہوتا تھا، سختی ودرشتی ان کے مزاج کے بالکل خلاف تھی، ملازموں پر بھی سختی نہ کر سکتے تھے، متانت وسنجیدگی فطرت میں تھی، طالب علمی کے زمانہ میں بھی کبھی متانت کے دائرہ سے نہیں نکلے، اس شہرت و عظمت کے باوجود جو ان کو حاصل تھی، کسی عنوان سے بھی اپنی بڑائی کا اظہار نہ ہونے دیتے تھے، ادنی ادنی آدمیوں سے خوش اخلاقی سے ملتے تھے اور ان سے ان کے مذاق کے مطابق باتیں کرتے تھے، راقم کو برسہا برس تک ان کی خدمت و رفاقت کا شرف حاصل رہا، اور ان کے فضائل اخلاق سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، یاد نہیں آتا کہ کبھی کسی معاملہ میں ان کا قدم اخلاقی دائرہ سے باہر نکلا ہو، سید صاحب سے راقم اور دوسرے رفقاء کا تعلق استادی وشاگردی کا تھا، جس میں تادیب وتنبیہ کے مواقع بھی آتے

تھے، ان موقعوں پر بھی تنبیہ کے بجائے نرمی سے سمجھاتے تھے، اگر کبھی کسی بات پر ناگواری کا اظہار فرماتے تو بعد میں طرح طرح سے اس کی تلافی کی کوشش فرماتے، لیکن ان کا رعب ووقار ایسا تھا کہ ہر شخص سہا رہتا تھا'' (۱)

مولانا سید ابوظفر ندویؒ بچپن کے حالات میں لکھتے ہیں:

''علامہ موصوف کو کھیل کود اور اس قسم کے تفریحی مشاغل سے مطلق دلچسپی نہ تھی، ان کے احباب جب تاش اور شطرنج کھیلتے تو وہ صرف تماشائی ہوتے، یا اخبار وغیرہ پڑھنے لگتے، اگر کبھی کھیل میں شرکت کی تو وہ کبڈی ہے، بچپن سے کم سخن اور خاموش طبیعت کے انسان تھے'' (۲)

مولانا عبدالباری ندویؒ لکھتے ہیں:

''مزاج کی سنجیدگی کچھ نہ کچھ سست روی کا رنگ اختیار کر لیتی ہے، سید صاحب کی غیر معمولی سنجیدگی ان کا نمایاں وصف تھا، جلد بازی سے کسی کام میں بھی ذہن وجسم کسی سے بھی کام لینا گویا جانتے ہی نہ تھے، طبیعت پر خلق ومروت اس قدر غالب تھی اور طبیعت ایسی مرنجاں مرنج پائی تھی کہ اختلاف وکشمکش اور مسابقت ومقابلہ سے بہت گھبراتے تھے، ایسے میدان میں قدم نہ رکھتے تھے، اور جب کسی کام میں ایسی شکل پیدا ہو جاتی تو اس سے الگ ہو جاتے، خلافت اور تحریک ترک موالات میں انہوں نے سرگرم حصہ لیا تھا، مگر جب کش مکش کی صورت پیدا ہوئی، تو اس سے الگ ہونے کے لئے تیار ہو گئے'' (۳)

معمولات:

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے معمولات کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''سید صاحب بڑے لوگوں کی طرح معمولات کے سختی سے پابند نہ

(۱) حیات سلیمان: ۶۰۹-۶۱۰ (۲) معارف سلیمان نمبر (۳) معارف سلیمان نمبر

تھے، ان کا معمول عموماً یہ تھا: نماز فجر کے بعد کلام مجید کی تلاوت کرتے، ناشتہ کے بعد کام کے لئے کتب خانہ میں آجاتے، اور ساڑھے بارہ بجے تک اس انہماک سے کام کرتے کہ وقت کا خیال نہ رہ جاتا، کھانے کے لئے بار بار یاد دہانی کرنا پڑتی، اور دسترخوان پر دیر تک انتظار کرنا پڑتا، کام کے اوقات میں اگر کوئی ملنے والا آجاتا، تو ان کو سخت ناگوار ہوتا، لیکن مروت کی وجہ سے کچھ کہتے نہ تھے، کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے، پھر ظہر کی نماز پڑھتے، جب تک قوی مضبوط تھے، ظہر کے بعد بھی عصر تک کام کرتے تھے، لیکن پھر دوسرے وقت کا کام چھوڑ دیا تھا، اور ظہر کے بعد سے عصر تک کا وقت گھر میں گذرتا تھا، اس میں بھی بیکار نہ رہتے، کلام مجید یا کسی دوسری کتاب کا مطالعہ کرتے، عصر کی نماز کے بعد مغرب تک ان کے برآمدہ میں مشترک نشست ہوتی، جس میں رفقاء کے علاوہ اکثر باہر کے لوگ بھی آجاتے تھے، یہ وقت سید صاحب کے خاص انشراح وشگفتگی کا ہوتا، اس مجلس میں علمی، مذہبی، سیاسی، تفریحی ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں، اور بڑے قیمتی معلومات حاصل ہوتے تھے، کبھی کبھی جب حاضرین کم ہوتے تو دارالمصنفین کی سڑک پر مشی کرتے، ایک زمانہ میں کھانا یکجائی ہوتا تھا، سب کے گھروں سے کھانا آجاتا تھا، اور سب ایک دسترخوان پر کھاتے تھے، اس زمانہ میں دارالمصنفین کا دسترخوان مشہور تھا، خصوصاً رمضان میں روزانہ دعوت کی کیفیت رہتی تھی، لیکن بعد میں سب اپنے اپنے گھروں میں کھانے لگے تھے۔''(۱)

(۱) حیات سلیمان: ۶۲۹۔۶۳۰

باب دوم

علمی و ملی خدمات

علامہ سید سلیمان ندویؒ اور دارالمصنفین

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ علامہ شبلی نعمانیؒ کی فکر ونظر کی یادگار ہے، جس کا نقشہ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے تیار کیا تھا، اور ندوۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں اس کی تجویز بھی پیش کی، لیکن اس کی عملی شکل ۱۵ر نومبر ۱۹۱۴ء کو ان کی وفات سے تین روز قبل نکل آئی، جس میں انہوں نے اپنے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا کہ سیرت النبی میری تمام عمر کی کمائی ہے، سب کام چھوڑ کر سیرت مکمل کرو، اور اس کے جواب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں ''ضرور، ضرور'' کہا(۱)

دارالمصنفین کی تاسیس اور تاسیسی ارکان:

۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلیؒ کی وفات کا واقعہ پیش آیا، اور ۲۱ر نومبر کو دارالمصنفین کے ابتدائی ارکان کا انتخاب عمل میں آیا، جس کے صدر مولانا حمید الدین فراہی، ناظم علامہ سید سلیمان ندوی اور تین ارکان مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا مسعود علی ندوی اور مولانا شبلی متکلم ندوی تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالمصنفین کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے سب سے پہلے پونہ کی ملازمت سے استعفا دیا، اور دارالمصنفین کے لئے یکسو ہو گئے، اور سیرت النبیؐ کی تکمیل میں مشغول ہو گئے، اور بحمد اللہ سیرت النبیؐ کی چھ جلدیں پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ شائع کی، جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عظیم الشان کارنامہ ہیں، اولین دو جلدیں تو علامہ شبلیؒ نے مرتب کی تھی، لیکن ان کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی، پہلی جلد ۱۹۱۸ء میں اور دوسری ۱۹۲۰ء میں، لیکن ان دونوں جلدوں کے مواد کی تدقیق، تحقیق اور تحشیہ کا کام علامہ سید سلیمان ندویؒ نے انجام دیا، اور ان کو اشاعت کے لائق بنایا، اس

(۱) حیات شبلی: ۷۲۲

کے بعد سیرت النبی کی تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں، چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں، پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں اور چھٹی جلد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی، ساتویں جلد کے مواد کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اکٹھا کرلیا تھا، اور کچھ صفحات تحریر بھی کردئے تھے، لیکن یہ سلسلہ قیام بھوپال کی وجہ سے رک گیا، ساتویں جلد کے یہ مضامین پہلے معارف میں شائع ہوئے، پھر جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ کے دور نظامت میں کتابی شکل میں شائع ہوئے، جس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے طاقتور مقدمہ لکھا ہے، جس میں معاملات کی اہمیت اور دین و دنیا کی جامعیت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

دارالمصنفین کا اولین کام سیرت النبیؐ کی تکمیل تھی، جو بحمداللہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی یکسوئی اور دلچسپی سے وجود پذیر ہوئی، جس نے ملک اور بیرون ملک ایک شناخت قائم کردی، اور دارالمصنفین کا اچھے انداز میں تعارف ہوا، اس عظیم الشان کام کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالمصنفین سے سب سے پہلی کتاب ارض القرآن شائع کی، جو دراصل سیرت النبی کا مقدمہ تھا، لیکن اس نے طویل ہونے کی وجہ سے مستقل کتاب کی شکل اختیار کرلی۔ اسی کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں استاذ محترم علامہ شبلیؒ کی یادگار مکاتیب شبلی کو بھی شائع کیا، ان کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی کی دوسری کتابوں، اور اپنی کتابوں وتحقیقات اور دیگر رفقائے دارالمصنفین کی کتابوں کو دارالمصنفین سے شائع کیا، جن میں سیرت عائشہؓ، خیام، عربوں کی جہاز رانی، عرب و ہند کے تعلقات وغیرہ مشہور ہیں۔

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ:

علم وتحقیق اور فکر وفن کا نقیب ماہنامہ معارف ایک مدت سے شعور کی بالیدگی اور ذوق علم کو فروغ دینے میں مصروف ہے، ایک سو آٹھ سال سے اس کا فیضان مسلسل جاری ہے، وللہ الحمد، معارف کا مطمح نظر کیا ہے؟ خود بانی مدیر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے اعتدال، مضامین میں ادبیت بھی

ہو اور منطقیت بھی، تحقیق و کاوش بھی اور حسن و لطافت بھی، مشرقیت بھی اور مغربیت بھی، جدت بھی اور قدامت بھی، فلسفیت بھی اور مذہبیت بھی، عقلیت بھی اور نقلیت بھی۔

لوگ کہیں گے کہ یہ جمع اضداد ہے، ہم جواب دیں گے کہ معارف کیا؟ خود یہ عالم مجموعہ اضداد ہے، جب تک چند عناصر یکجا نہیں ہوں گے، مزاج کیوں کر بنے گا، اور اعتدال کیوں کر آئے گا۔'' (۱)

بسط کے بجائے ایجاز میں معارف کا مقصد اسلام اور اسلامی علوم و فنون کی تاریخ مرتب کی جائے اور اسے جدید اسلوب و انداز میں پیش کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ معارف نے روز اول ہی سے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی کو نئے قالب اور انداز میں پیش کرنے کی تحریک کا آغاز کیا، پھر اس کی ہر طرف نقل و پیروی کی جانے لگی۔ تقدیر الٰہی کا فیصلہ کہ معارف کا اجرا رمضان ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی ۱۹۱۶ء میں ہوا، اس طرح قرآن و حدیث سے وابستگی اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کا ایک نیا حوصلہ اس ماہ مبارک سے ملا، اور اسی مہینہ میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور ان کی سیرت و کردار کو پیش کرنے کا عزم کیا گیا۔

دار المصنفین کے اس علمی مجلّہ کا اداریہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے شذرات کے نام سے شائع ہوتا رہا، وہ شذرات دراصل جگر کے ٹکڑے تھے، جو لوح و قرطاس پر ثبت ہوتے تھے، ان شذرات کا مجموعہ ''شذرات سلیمانی'' کے نام سے تین جلدوں میں معارف پریس سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ شذرات کے علاوہ وفیات، تبصرے اور علمی مضامین بھی لکھا کرتے تھے، آپ کے تحریر کردہ وفیات کا مجموعہ ''یاد رفتگاں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور علمی مضامین مقالات سلیمان (تین جلدیں) بھی شائع ہو چکی ہیں، پہلی جلد تاریخی مقالات، دوسری جلد علمی مقالات اور تیسری جلد مذہبی اور قرآنی مقالات پر مشتمل ہے۔

(۱) معارف جولائی ۱۹۲۸ء

نئے فضلاء کی علمی تربیت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے معارف کے ذریعہ قلم کاروں کی ایک جماعت تیار کردی، وہ رفقائے دار المصنفین کہلائے، وہ آپ کی نگرانی میں مقالات لکھتے، اور آپ اصلاح اور حک وفک کے بعد ان کو اشاعت کے لائق بناتے، معارف کے نوجوان اہل قلم میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا ریاست علی ندوی، مولانا ابوالجلال ندوی، جناب سعید انصاری، مولانا نجیب اشرف ندوی، مولانا سید ابوظفر ندوی، مولانا ابوالحسنات ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا مجیب اللہ ندوی وغیرہ ہیں۔

(۱) مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ردولی ضلع اجودھیا کے رہنے والے تھے، ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے، فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور ۱۹۲۴ء میں سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کو دار المصنفین بلالیا، چنانچہ رفیق دار المصنفین کی حیثیت سے انہوں نے علمی اور تصنیفی کاموں کا آغاز کیا، دار المصنفین سے ان کی پہلی کتاب مہاجرین جلد دوم ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی، تاریخ اسلام کی تدوین وترتیب ان کے ذمہ علامہ سید سلیمان ندوی نے کی، اور انہوں نے اس سلسلہ کو چار جلدوں میں بحسن وخوبی مکمل کیا، علامہ کے بھوپال چلے جانے کے بعد دار المصنفین کی علمی نظامت انہوں نے کی، اور ماہنامہ معارف کے شذرات لکھے، رفقائے دار المصنفین کی تربیت کی، ان کی تصنیفات میں سیر الصحابہ، حیات سلیمان، عرب کی موجودہ حکومتیں، تابعین، وغیرہ ہیں ۱۹۷۴ء میں ان کا انتقال ہوا، اور اپنے وطن ردولی میں سپرد خاک ہوئے۔

(۲) سید صباح الدین عبدالرحمٰن دیسنہ ضلع نالندہ بہار کے رہنے والے تھے، ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، نالندہ کالج سے میٹرک اور پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے کیا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی ایڈ، اور پٹنہ یونیورسٹی سے اردو سے ایم اے کیا، ۱۹۳۵ء میں دار المصنفین آئے، ان کا ذوق تصنیفی تھا، تاریخ ہند کو موضوع بنایا، اور کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں بزم تیموریہ

(۳رجلدیں)، بزم صوفیہ، بزم مملوکیہ، ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک، ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (۲رجلدیں) بزم رفتگاں (۲رجلدیں)، ان کی مجموعی تصنیفات کی تعداد پچاس ہے، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کے بعد سید صباح الدین عبد الرحمٰن ناظم دارالمصنفین و مدیر ماہنامہ معارف منتخب ہوئے، لکھنؤ میں ۱۸رنومبر ۱۹۸۷ء کو انتقال ہوا۔

(۳) مولانا ابوالحسنات ندوی اشرف پور ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد طلب معاش میں کلکتہ میں دفتر الہلال میں ملازم ہو گئے، علامہ سید سلیمان ندوی کی ۱۹۱۲ء میں ان سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی تو ان کو وہاں ذاتی طور پر عربی کی کتابیں پڑھائیں، اور جب علامہ سید سلیمان ندوی پونہ منتقل ہو گئے تو انہوں نے ان کے مشورہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور ۱۹۱۶ء تک تعلیم مکمل کی، پھر ۱۹۱۸ء میں دارالمصنفین آ گئے، اور اخیر تک یہیں رہے، معارف میں متعدد تحقیقی مقالات لکھے، ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ان کی مشہور کتاب ہے، نومبر ۱۹۴۲ء کو راج گیر (بہار) میں ان کا انتقال ہوا۔

(۴) مولانا سید ابوظفر ندوی علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بھائی مولانا سید ابو حبیب کے صاحبزادے تھے، مارچ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، ۱۹۱۱ء میں سند فراغت حاصل کی، علامہ شبلیؒ سے بھی پڑھنے کا موقع ملا، اس کے بعد برما میں کچھ سال رہے، پھر احمد آباد گجرات میں عربی کے پروفیسر ہوئے، ۱۹۳۳ء میں دارالمصنفین آ گئے اور پانچ سال قیام کیا، اور کئی کتابیں لکھیں، ان کی تصنیفات میں مختصر تاریخ ہند، تاریخ اولیائے گجرات، سفرنامہ برما، گجرات کی تمدنی تاریخ وغیرہ ہیں، مئی ۱۹۵۸ء میں انتقال ہوا۔

(۵) مولانا ابو الجلال ندوی اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، اور تکمیل درسیات کے بعد شبلی کالج میں استاذ ہو گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۲۳ء میں ان کو دارالمصنفین میں بحیثیت رفیق رکھا، انہوں نے اخبار علمیہ اور باب التقریظ والانتقاد کے تحت اپنی تحریری کاوشیں شروع کیں،

کچھ عرصہ کے لئے مدراس چلے گئے، پھر ۱۹۴۶ء میں دوبارہ دارالمصنفین آئے، اور علمی شغل جاری رکھا، علامہ سید سلیمان ندوی نے اُعلام القرآن پر ان سے تحقیقی مقالات لکھوائے، ۱۶/ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

(۶) مولانا ریاست علی ندوی بہار کے ضلع گیا کے رہنے والے تھے، ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم مکمل کی، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خواہش پر ۱۹۲۴ء، میں دارالمصنفین بحیثیت رفیق آ گئے، معارف کی ترتیب میں شریک رہے، اور تاریخ اندلس، تاریخ صقلیہ پر اہم کتابیں لکھی، ۱۴/نومبر ۱۹۷۶ء کو وطن میں انتقال ہوا۔

(۷) مولانا محمد اویس نگرامی ندوی نگرام لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۹۷۶ء میں انتقال ہوا، ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور ۱۹۳۲ء میں سند فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی استفادہ کیا، ۱۹۳۶ء میں دارالمصنفین سے وابستہ ہوئے، اور ۱۹۴۶ء تک رہے، اس دوران التفسیر القیم اور تعلیم القرآن مرتب کی، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے علمی معاون رہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ اور شیخ التفسیر بھی تھے۔ ۲۸/اگست انتقال ۱۹۷۶ء میں ہوا۔

(۸) مولانا مجیب اللہ ندوی ۴/جنوری ۱۹۱۸ء کو اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، آبائی وطن کسمی خورد ضلع غازی پور تھا، عربی تعلیم کے لئے جامعہ مظہر العلوم بنارس میں داخلہ لیا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے اور ۱۹۴۵ء میں فراغت حاصل کی، ۱۹۴۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی دعوت پر دارالمصنفین آئے اور بحیثیت رفیق تقرر ہوا، اور متعدد کتابیں لکھی، ان میں اہل کتاب صحابہ وتابعین، تبع تابعین جلد اول وغیرہ ان کی یادگار ہیں، ان کی تعلیمی خدمات میں جامعۃ الرشاد کا قیام اور الرشاد نامی رسالہ کا اجراء اور متعدد علمی اور تحقیقی خدمات ہیں، ۱۲/مئی ۲۰۰۶ء کو لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا، اور تدفین جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں ہوئی۔

ندوی فضلاء کے علاوہ دیگر اہل ذوق کی بھی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دارالمصنفین کے زمانہ قیام میں علمی وتصنیفی تربیت کی، ان میں مولانا سعید انصاری تھے، فتح پور ہنسوہ کے

رہنے والے تھے، ۱۶؍فروری ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۱۵ء میں دارالمصنفین میں تقرر ہوا، تصنیفات میں تفسیر ابومسلم اصفہانی، سیر الصحابہ چہارم، پنجم ہشتم ہیں، نومبر ۱۹۶۲ء میں انتقال ہوا۔

ڈاکٹر محمد عزیز بھی رفیق دارالمصنفین رہے، اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، ۱۹۳۰ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بحیثیت رفیق ان کا تقرر کیا، اور اخبار علمیہ کی ذمہ داری دی، دولت عثمانیہ کی تاریخ انہوں نے مرتب کی اور وہ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

مولانا محمد یوسف کوکن (ولادت: ۴؍نومبر ۱۹۱۶ء) بھی بحیثیت رفیق دارالمصنفین ۱۹۴۰ء میں آئے، انہوں نے جامعہ دارالسلام عمر آباد میں تعلیم حاصل کی، معارف کے لئے انہوں نے تحقیقی مضامین علامہ سید سلیمان ندوی کی نگرانی میں لکھے اور وہ معارف میں شائع ہوئے، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو مدراس میں انتقال ہوا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۹۴۶ء تک مسلسل دارالمصنفین کی براہ راست نگرانی کرتے رہے، اور معارف کے شذرات بھی لکھتے رہے، ۱۹۲۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یورپ کا سفر کیا، جس میں آٹھ مہینے صرف ہوئے تو مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے معارف کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، ۱۹۴۶ء میں جب علامہ سید سلیمان ندوی بھوپال منتقل ہوگئے تو وہاں سے دارالمصنفین کی نگرانی اور شذرات نگاری بھی جاری رہی، لیکن جب ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہوگئے تو قانونی پیچیدگی کی وجہ سے معارف سے آپ کا نام حذف کرنا پڑا، اور شذرات نگاری کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں مولانا کلیم صفات اصلاحی کی کتاب: دارالمصنفین کے سو سال

علامہ سید سلیمان ندویؒ

بحیثیت معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

سید الطائفہ کی وجہ تسمیہ:

علامہ سید سلیمان ندویؒ ندوۃ العلماء کی نمائندہ شخصیات میں تھے، وہ ندوۃ العلماء کے گل سرسبد تھے، وہ سید الطائفہ (سرخیل ابنائے ندوۃ العلماء) کے خطاب سے بھی مشہور ہوئے، اور ندوۃ العلماء کی مثالی شخصیت قرار پائے (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۹۰۱ء میں طالب علم کی حیثیت سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، اور ۱۹۰۷ء میں دار العلوم سے سند فراغت حاصل کی اور عربی ادب کے استاذ مقرر ہوئے، انہوں نے ندوۃ العلماء کے ماہانہ ترجمان الندوہ کی ادارت کی ذمہ داری بھی سنبھالی اور ۱۹۱۳ء تک اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اس کے بعد دیگر علمی مصروفیات رہیں، لیکن وہ ندوۃ العلماء اور اس کی فکر کی اشاعت کرتے رہے، اور ہر موقع پر اس کی ترجمانی کا حق ادا کیا، اور بقول مؤرخ تاریخ ندوۃ العلماء: ''وہ تحریک ندوۃ العلماء کے پرجوش داعی ومبلغ اور وکیل وترجمان رہے، اصلاح وترقی نصاب ان کا دائمی نصب العین رہا، اور وہ ایک ماہر تعلیم کی صورت میں مدارس وجامعات کی اصلاح کے ساتھ ندوۃ العلماء کے نصاب ونظام تعلیم کی تعمیر وتشکیل میں بھی حصہ لیتے رہے، اور طلبہ واساتذہ کی رہنمائی کرتے رہتے تھے، ان کی اس دلچسپی اور رہنمائی اور اس تعلیمی تحریک سے ہمدردی کی بنا پر جب ۱۹۲۳ء

(۱) سید الطائفہ کے خطاب سے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: راقم سطور نے کسی کتاب کے دیباچہ یا مقدمہ میں مرحوم کے اس مرتبہ ومقام کے مدنظر ان کو دار المصنفین کا سید الطائفہ لکھا تھا، لیکن آج جب ماضی و مستقبل کی طرف نگاہ جاتی ہے تو ان کی ہستی دار المصنفین ہی نہیں، ندوہ، ندویت کی پوری ساٹھ سالہ تحریک وتاریخ کی سید الطائفہ نظر آتی ہے (معارف سلیمان نمبر ۱۹۵۴ء)

میں ناظم ندوۃ العلماء مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے انتقال فرمایا، اوران کی جگہ پر نواب سید علی حسن خان صاحب ناظم ہوئے تو سید صاحب کو ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم منتخب کیا گیا'' (۱)

دور معتمدی کے نمایاں کارنامے

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے معتمد تعلیم منتخب ہونے کے بعد نصاب اور نظام تعلیم کی تجدید کی، اور مناسب تبدیلیاں کیں، ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسے کئی برسوں سے موقوف تھے، ان کو بھی جاری کیا، ۱۹۲۵ء میں مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کی صدارت میں لکھنؤ میں اس کا اجلاس عام ہوا، پھر انبالہ پنجاب میں اس کا جلسہ ہوا، جس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۵۳ء تک یعنی ۳۰ رسال معتمد تعلیم کے اس اہم عہدہ پر فائز رہے، ان کے قیام بھوپال کے دوران اُن کے ایماء پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو ان کا نائب مقرر کیا گیا تھا، جس کو انہوں نے علامہ مرحومؒ کے مشورے سے نبھایا، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات (۱۹۵۳ء) کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو معتمد تعلیم ندوۃ العلماء منتخب کیا گیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے دور معتمدی کی یادگاروں میں ''الضیاء'' نامی عربی رسالہ کا اجرا تھا، اس رسالہ کا پہلا شمارہ محرم ۱۳۵۱ھ، مئی ۱۹۳۲ء کو نکلا، اس کا افتتاحیہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے تھا، اور اس کے ایڈیٹر مولانا مسعود عالم ندویؒ تھے، یہ رسالہ چار سال تک تسلسل سے نکلا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر بند ہو گیا، اس کی تفصیل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے قلم سے پڑھئے:

''ستمبر ۱۹۳۰ء میں علامہ محمد تقی الدین ہلالی مراکشی دارالعلوم میں ادب عربی کے استاذ اعلیٰ ہو کر آئے، اور نہ صرف دارالعلوم میں، بلکہ ایک طرح سے ہندوستان میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، ہلالی صاحب نے غالباً ۱۹۳۱ء کے آخر میں ایک سفر مشرقی اضلاع بنارس، اعظم گڑھ، مئو، مبارکپور کا کیا، انہوں نے از راہ کرم وشفقت مجھے اپنی رفاقت اور معاونت کے لئے انتخاب فرمایا اور میں اس پورے سفر میں ایک خادم اور ترجمان کی حیثیت

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء ج ۲/ ۲۷۷

سے ان کے ساتھ رہا، رمضان کا زمانہ تھا، اور دسمبر یا جنوری کا مہینہ، اس سفر میں کئی روز دارالمصنفین میں قیام رہا، یہ میری دارالمصنفین کی پہلی حاضری تھی، افطار تو سب ساتھ ہی کرتے تھے، البتہ سحری کے لئے ہم دونوں کو سید صاحب کے دولت کدہ پر جانا ہوتا تھا، دونوں یگانہ فاضلوں کو دیر تک علمی وادبی گفتگو کرتے سنا، اسی سفر میں دارالعلوم سے ایک عربی رسالہ کے اجرا کا فیصلہ ہوا، جس کے نگراں وسرپرست سید صاحب اور ہلالی صاحب اور ایڈیٹر ہمارے دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی منتخب ہوئے، یہ سید صاحب کے پرانے علمی وادبی ذوق کی تجدید اور ایک عربی رسالہ نکالنے کی تعبیر تھی، اس رسالہ کا پہلا شمارہ محرم ۱۳۵۱ھ، مئی ۱۹۳۲ء کو نکلا، اس کا افتتاحیہ سید صاحب نے لکھا اور خوب لکھا۔ یہ ان کی عربی انشاپردازی کا بہترین نمونہ ہے'' (۱)

عربی صحافت کے ساتھ اردو صحافت میں علامہ سید سلیمان ندویؒ ندوۃ العلماء کو صف اول میں دیکھنا چاہتے تھے، چونکہ وہ ماہنامہ الندوہ کی ادارت بھی کر چکے تھے، اور وہ بعض اسباب کی بنا پر بند گیا تھا، اس لئے اس کے اجرا کی کوشش علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اولین ترجیح تھی، اس کی شہادت بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس طرح دی ہے:

> ''سید صاحب کی دلچسپی دارالعلوم کے ساتھ بڑھتی جارہی تھی، وہ اس عہد کہن کو تازہ کرنے کی فکر میں رہتے تھے، جب دارالعلوم ان کے استاذ مولانا شبلی کی رہنمائی اور سربراہی میں ہندوستان کے اہل علم وذوق کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، اور اس کا رسالہ ''الندوہ'' ہندوستان کے علمی مطلع پر ایک نئے سیارہ کی حیثیت سے طلوع ہوا تھا، سید صاحب نے الندوہ کے دوبارہ اجراء کا حکم دیا، اور وہ راقم سطور اور رفیق محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی استاذ دارالعلوم کی ادارت میں ۱۹۴۰ء سے نکلنا شروع ہوا، سید صاحب نے اس میں متعدد مضامین لکھے اور ان کی مختلف تقریریں بھی اس میں شائع ہوئیں، نومبر ۱۹۴۰ء سے اس میں ''میری محسن کتابیں'' کے

(۱) پرانے چراغ ج ۱/۱۷۔۱۸

عنوان سے ایک سلسلہ مضامین شروع ہوا، اس میں سب سے پہلا مضمون نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کا تھا، دوسرا سید صاحب کا، سید صاحب اس کی توسیع اشاعت اور اس کے معیار کے بلند کرنے کی فکر میں رہتے تھے، لیکن کچھ تو ملک میں ایسے سنجیدہ رسالوں کا رواج نہ تھا، دوسرے ہم لوگ بھی اپنی تدریسی مصروفیتوں اور نوعمری کی وجہ سے اس کا معیار کچھ زیادہ بلند نہ کر سکے، بالآخر فروری ۱۹۴۲ء میں تقریباً دو سال جاری رکھ کر اس کو بند کرنا پڑا'' (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے دور معتمدی میں دار العلوم آتے، اور تعلیمی جائزہ کے عنوان سے کئی کئی دن قیام کرتے تھے، اس درمیان طلباء کو اپنے فیض صحبت سے بھی نوازتے تھے، اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''۱۹۲۹ء سے میرا دار العلوم ندوۃ العلماء سے باقاعدہ استفادہ اور طالب علمی کا تعلق قائم ہوا، اس وقت سید صاحب دار العلوم کے معتمد تعلیم تھے، ندوہ کے جلسۂ انتظامی کے علاوہ بھی تشریف لاتے، اور کئی کئی دن قیام کرتے، کبھی کبھی درجوں اور طلباء کے جلسوں میں بھی تشریف لے آتے، ایک مرتبہ طلباء کا عربی کا جلسہ ہو رہا تھا، جب میری تقریر کی باری آئی تو میں نے اپنی عادت کے مطابق حاضرین کو مخاطب کر کے بلا کسی خطبۂ مسنون کے تقریر شروع کر دی، سید صاحب نے ٹوکا اور وہ حدیث یاد دلائی، جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو تحریر و تقریر حمد و ثنا سے شروع نہ کی جائے وہ ناقص اور عیب دار ہے.....

یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک دن سید صاحب درجہ اول میں تشریف لائے، جہاں اس جماعت کا سبق ہو رہا تھا، اور مولانا مسعود عالم ندوی پڑھا رہے تھے، سید صاحب نے طلباء سے کسی لفظ کی تعلیل پوچھی،

(۱) پرانے چراغ ۱/۲۹

طلباء نے غالباً یہ لفظ بھی نہیں سنا تھا، وہ جواب نہ دے سکے، سید صاحب نے مولوی مسعود عالم صاحب کی طرف دیکھا، انہوں نے کہا: صرف کا گھنٹہ علی میاں کے پاس ہے، میری طلبی ہوئی، سید صاحب نے فرمایا: کیوں صاحب! آپ نے ان طلباء کو تعلیل نہیں سکھائی، میں نے کہا: تعلیل تو آسانی سے ان کو سکھائی جاسکتی ہے، مگر یہ ایک سوال کرتے ہیں، جس کا میرے پاس جواب نہیں، فرمایا: کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں جب ان سے کہتا ہوں کہ قال اصل میں قول تھا، واؤ متحرک ماقبل اس کا مفتوح، واؤ کو الف سے بدل دیا، قال ہوگیا تو یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس زمانہ میں تھا اور عرب کب قال کے بجائے قول بولتے تھے، میرے پاس اس کا جواب نہیں، سید صاحب مسکرائے اور بات ختم ہوگئی۔'' (۱)

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ندوۃ العلماء کی تحریک اصلاح نصاب کی پرزور وکالت کی، اور اس سلسلہ میں عملی اقدامات بھی کئے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے عہد نظامت اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے دور معتمدی میں کئی کتابوں کی ترتیب وتدوین کا پروگرام بنا اور وہ شامل نصاب کی گئیں، ندوۃ العلماء کے اجلاس نومبر ۱۹۲۶ء منعقدہ کانپور میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''ندوۃ العلماء کا یہ اکیسواں سالانہ اجلاس تھا، زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے گو اب پرانی مجلسوں کی وہ رونق قائم نہیں رکھی، تاہم ان کے مقاصد اور ضرورتوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ ابھی تک ویسے ہی ہیں، ندوۃ العلماء کا مقصد علماء میں اتحاد واتفاق ورواداری پیدا کرنا، عربی مدارس میں اصلاحات رائج کرنا، نصاب تعلیم میں ضرورت زمانہ کے مطابق اصلاح وترمیم، علماء کو جدید علوم ومسائل سے آگاہ کرنا، ایک عظیم الشان مشرقی کتب خانہ کی فراہمی، اسلام کی اشاعت وتبلیغ، ایک دارالافتاء کا قیام، مسلمانوں کے مذہبی فلاح وبہبود کے کاموں کے لئے جدوجہد۔'' (۲)

---

(۱) پرانے چراغ ج ۱/۱۹ (۲) معارف دسمبر ۱۹۲۶ء

ندوۃ العلماء میں آخری آمد:

مارچ ۱۹۵۳ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ ڈھاکہ میں ہسٹاریکل کانگریس کی صدارت کے لئے تشریف لے گئے، واپسی میں ندوۃ العلماء آئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلباء اور اساتذہ سے ملے، اس کی تفصیل مولانا غلام محمد حیدرآبادی کے قلم سے کچھ اس طرح ہے:

> ''وہاں (ندوہ) کے طلباء اپنے بچھڑے ہوئے باپ سے والہانہ انداز سے ملے، اور وہ بھی اپنے مہجور فرزندوں سے مل کر اشکبار ہوئے، ان کے اعزاز میں جمعیۃ الاصلاح کی طرف سے جمالیہ ہال میں ایک جلسہ ہوا تو پورا بھر گیا، جب سید صاحب نے ہال کے زینہ پر قدم رکھا تو عمارت پر حسرت بھری نگاہ ڈالی اور درد بھری آواز میں یہ شعر پڑھا:
>
> میں اپنے گھر میں آیا ہوں، مگر انداز تو دیکھو
> میں اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

اس کے پڑھنے کے بعد ان کی طرح اور لوگوں کی بھی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، جلسہ کی کارروائی تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوئی، قاری نے شروع میں یہ آیت پڑھی: ولـمَّـا فَـصَـلَـتِ الـعِيـرُ ، قـال أبُـوهُـم اِنّـى لأجِدُ ريحَ يُوسُفَ لَولا أن تُفَنِّدُون (یوسف:۹۴) (جب قافلہ چلا تو ان کے باپ (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر تم مجھ کو بے وقوف نہ بناؤ)

اس کو سن کر تمام حاضرین متأثر ہوئے، خود سید صاحب ضبط نہ فرما سکے، بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تانتا بندھ گیا، ایک طالب علم نے عربی میں سپاس نامہ پڑھا، جس کے بعد سید صاحب نے بڑے درد بھرے انداز میں اپنی تقریر شروع کی، پوری تقریر سوز و درد کا مرقع تھی، اس میں پاکستان کی ہجرت کے اسباب بیان فرمائے، اور آخر

میں اپنے عزیز طلباء کو یہ پیام دیا:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا،
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ندوہ کے طلباء کے نام ان کا یہ آخری پیغام تھا۔''(۱)

ندوۃ العلماء علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نظر میں:

ندوۃ العلماء قلب ونظر کی ایک جامع تحریک ہے، جس نے ملک میں جاری دو جدید وقدیم نظاموں کو ملایا، اور اس کو ایسا سنگم بنا دیا، جس سے عوام وخواص مستفید ہو رہے ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نمایاں صفت جامعیت اور ان کے علوم ومضامین کا تنوع ہے، انہوں نے عقل وقلب کے تقاضوں کو پورا کیا، ''در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق'' کا عملی نمونہ پیش کیا، اسی وجہ سے ہر حلقہ میں ان کی مقبولیت تھی، ہندوستان سے لندن جانے والے اعلیٰ سطحی وفد کی قیادت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کی، سرزمین حجاز میں ہندوستانی عوام کی نمائندگی انہیں کے حصہ میں آئی، سفر افغانستان میں وہی سالار کارواں رہے۔ ہندوستان میں عصری اور دینی طبقات کے درمیان قائم رہنے والی خلیج کو پر کرنے کی انہوں نے ہر ممکن کوشش کی، لسان العصر اکبر الہ آبادی نے ندوۃ العلماء کے بارے میں کہا تھا:

اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کو ندوہ کا ناقص تعارف سمجھتے تھے، وہ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی:

> ''ندوہ کو قلب دردمند، ذہن ارجمند اور زبان ہوشمند کا مجموعہ دیکھنا چاہتے تھے، اور اسی ترتیب وتناسب کے ساتھ کہ پہلا مقام قلب دردمند کا ہو، دوسرا ذہن ارجمند کا اور اس کے بعد ان کی ترجمانی کے لئے زبان ہوشمند ہو۔''(۲)

---

(۱) تذکرہ سلیمان: ۲۷۷۔۲۷۸ (۲) پرانے چراغ ج ۱/۳۲

علامہ سید سلیمان ندویؒ

اور ملکی و بین الاقوامی سرگرمیاں

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت جامع الکمالات تھی، وہ ایک طرف علمی تھے کہ دار المصنفین جیسے ممتاز ادارے میں علمی مشغولیت تھی تو دوسری طرف تعلیمی کہ ندوۃ العلماء جیسی معروف درسگاہ کے معتمد تعلیم تھے، تیسری طرف ملکی اور بین الأ قوامی مسائل کی وجہ سے ماہر سیاست داں اور اچھے تجزیہ نگار بھی تھے، حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، لیکن وہ عملی سیاست سے دور تھے، البتہ معاصر شخصیات اور تحریکوں کے مؤید تھے، اس لئے ان کے اصرار پر کبھی کبھی عملی سیاست میں شرکت بھی کرتے تھے، اس لئے بقول مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ :''مسلمانوں کا کوئی کام خواہ وہ ملکی وملی ہو یا مذہبی وسیاسی، ان کی شرکت ورہنمائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ان کے کام اتنے متنوع اور گوناگوں ہیں کہ ان کو سمیٹنا آسان نہیں ہے، اور یہ کام سب ایک ساتھ جاری تھے''(۱)

مجلس خلافت اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نمائندگی:

بیسویں صدی عیسوی میں قومیت اور وطنیت کے فتنہ نے ترکوں اور عربوں کے آپسی اختلافات کو ہوا دی، اور ایک بین الاقوامی تحریک کی شکل اختیار کر لی، یورپ نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور لسانی عصبیت کا بیج بویا، اسی درمیان جنگ عظیم اول پیش آ گئی، جس میں ترکوں نے اپنے مصالح کے پیش نظر جرمنی کا ساتھ دیا، لیکن جرمنی کو اس میں شکست ہوئی تو اس کے اتحادیوں کو زیر کرنے کے لئے یورپ نے ترکی کے داخلی مسائل میں دلچسپی لی اور ترکی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی سازش شروع کر دی، حجاز کے حکمراں شریف حسین کو یورپ

(۱) حیات سلیمان:۱۷۲

نے عرب، عراق، شام وفلسطین کی متحدہ حکومت کا سبز باغ دکھا کر خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا، چنانچہ ترکی حکومت کے خلاف انہوں نے اعلان بغاوت کیا، اس طرح یہ سارے ممالک ترکی اتحاد سے نکل گئے، اور ترکی اتحاد صرف اناطولیہ، آرمینیا اور تھریس میں محدود ہو کر رہ گئی، بالآخر خلافت عثمانیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا، ترکی میں خلافت عثمانیہ کا سقوط عالم اسلام کا اتنا بڑا حادثہ تھا کہ

آسماں را حق بود گر خون بگیرد بر زمین
برزوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

(اگر آسمان امیر المؤمنین مستعصم کی بادشاہت کے زوال پر زمین پر خون برسائے تو یہ اس کے لئے روا ہے)

یہ شعر اگر چہ خلافت عباسیہ کے زوال سے متعلق ہے، لیکن معنی ومفہوم کے لحاظ سے اس کو خلافت عثمانیہ کے الغاء پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے۔

خلافت عثمانیہ کے زوال سے عالم اسلام تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گیا، اور مقامات مقدسہ بھی خطرہ میں پڑ گئے کہ انگریزوں کا اقتدار اب ارض حرم پر بھی ہو جائے گا، برصغیر ہندو پاک میں اس کی بے چینی بڑی شدت سے محسوس کی گئی، اور خلافت عثمانیہ کی بحالی کے لئے ہندوستان میں تحریک خلافت قائم کی گئی، جس کے بانیوں میں چودھری خلیق الزماں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان اور دوسرے قدآور قائدین بھی تھے۔

اسی درمیان امرتسر میں آزادی وطن کا جلسہ منعقد ہوا، جس میں ملک کے قائدین گرفتار ہوئے، اور ان کی رہائی کے سلسلہ میں عوام نے احتجاج کیا تو ان پر پولیس نے گولی چلادی، جس میں کئی افراد مارے گئے، پھر جلیان والا باغ کا واقعہ پیش آیا، جس میں سیکڑوں افراد قتل کئے گئے، اور ہندوستانی باشندوں کو غیر معمولی اذیت کا سامنا کرنا پڑا، ان دونوں واقعات نے ہندو مسلم اتحاد کی ایک فضا پیدا کر دی، پھر کانگریس اور خلافت کمیٹی کے

جلسے امرتسر میں منعقد ہوئے، جس میں خلافت عثمانیہ کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کے لئے ۱۹۲۰ء میں ایک وفد لندن بھیجنے کی تجویز سامنے آئی، وفد کی مذہبی ترجمانی کے لئے دارالمصنفین سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کا انتخاب ہوا، وفد کے دیگر ارکان میں مولانا محمد علی جوہر رئیس وفد، سید حسین مرحوم، حسن محمد حیات سکریٹری، اور مولوی ابوالقاسم تھے۔ اس وفد کے مطالبات یہ تھے:

''(۱) سلطان ترکی کی حکومت خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے قسطنطنیہ، تھریس، اناطولیہ اور آرمینیا میں مستقل اور آزاد قائم رکھی جائے۔

(۲) حجاز، شام، فلسطین اور عراق کو جہاں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ہیں، اور جن کے مجموعہ کا نام جزیرۃ العرب ہے، غیر اسلامی اقتدار سے محفوظ رکھا جائے اور ان کے تحفظات کے بارے میں حکومت برطانیہ نے جو وعدہ کیا تھا ان کو پورا کیا جائے۔

(۳) ہندوستان کی آزادی کے لئے رائے عامہ ہموار کی جائے، کیونکہ بلاد اسلامیہ کا تحفظ ہندوستان کی آزادی کے بغیر ممکن نہیں''(۱)

یہ وفد لندن کے لئے یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو روانہ ہوا، چونکہ اس کے مطالبات بہت اعلیٰ تھے، اس لئے ہر جگہ اس کا استقبال ہوا، راستہ میں جہاں جہاں رکنا ہوا، وہاں کے باشعور باشندوں نے غیر معمولی اپنائیت کا مظاہرہ کیا، لندن پہونچ کر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مطالبات کی مذہبی حیثیت کو واضح کیا، اور بقول شاہ معین الدین ندویؒ: ''چلتے وقت سید صاحب نے کہا: عیسائیت اپنی حمایت کے لئے بیسیوں حامیٔ دین (انگلستان کے بادشاہوں کا لقب) سلاطین رکھتی ہے، کیا اسلام کو ایک حامیٔ دین سلطان کی اجازت بھی نہ ملے گی''(۲)

اس سفر کی پوری تفصیلات علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے مکاتیب ''برید فرنگ'' میں درج کی ہیں، اس وفد نے اسلامی ملکوں کے مسلمان نمائندوں سے بھی وہاں ملاقات کی اور ان کو وفد کے مقاصد سے آگاہ کیا، ابھی وفد کی کوششیں جاری تھیں کہ اتحادیوں نے ترکی کی

(۱) حیات سلیمان: ۱۷۸ (۲) حیات سلیمان: ۱۸۷

قسمت کا فیصلہ کر دیا، اور ایک ایسا صلح نامہ مرتب کیا جس میں ترکی حکومت کے ٹکڑے کر کے اس کو تقسیم کر دیا گیا، کچھ علاقے آزاد کر دیئے گئے، اور کچھ اتحادیوں کی حکم برداری میں دے دیئے گئے، کچھ یونان کے حوالہ کر دیئے گئے، حجاز میں شریف حسین کی خدمات کے صلہ میں ان کی حکومت قائم کر دی گئی، قسطنطنیہ میں برائے نام اتحادیوں کی نگرانی میں ترکی حکومت قائم رکھی گئی (۱)

۱۱ راگست ۱۹۲۰ء کو قسطنطنیہ کی حکومت کے نمائندوں نے صلح نامہ پر دستخط کر دئے، لیکن ترک قوم نے اس کو قبول نہیں کیا، صلح نامہ کے بعد وفد کا لندن میں قیام کرنا مناسب نہیں تھا، چنانچہ یکم ستمبر کو لندن سے ہندوستان کے لئے روانگی ہوئی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے واپسی کے بعد ماہنامہ معارف میں تحریک خلافت کی دینی اور سیاسی اہمیت پر مسلسل مضامین لکھے، جن میں خلافت اور ہندوستان، خلفاء اسلام کا اثر و اقتدار، خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، خلافت عثمانیہ اور مسیحی دنیا کا اعتراف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اور ان کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد اتحادیوں کی حرمین اور جزیرۃ العرب میں دخل اندازی کا خطرہ بڑھ گیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ارض مقدس میں غیر مسلم مداخلت کو گوارا نہیں کیا، اس لئے خلافت کانفرنس بہار کے خطبۂ صدارت میں مذہبی نقطہ نظر سے جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کی مداخلت پر تفصیل سے روشنی ڈالی، اس کے ایک حصہ کو نومبر ۱۹۲۳ء کے معارف میں (ارض حرم اور اس کے احکام و مصالح قرآن مجید کی نظر میں) کے عنوان سے شائع کیا۔

جمعیۃ علماء کا قیام:

ہندوستان کی تحریک آزادی شروع ہی سے علماء کی رہین منت رہی، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا حسین احمد مدنی، اور مولانا

(۱) تفصیل کے لئے دیکھیں: حیات سلیمان: ۲۰۱

ابوالکلام آزاد تک برابر یہ سلسلہ جاری رہا، علماء نے اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور جلاوطن بھی کئے گئے، آزادی کی جدوجہد کے سلسلہ میں نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا، اس کے بانیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ثناءاللہ امرتسری وغیرہ علماء ہیں۔

چونکہ جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ پورے طور پر شریک رہے، اسی لئے اس کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت کرتے رہے، اور ان کی تجاویز کی تائید بھی کرتے رہے، اور کئی بار اس کے سالانہ جلسوں کی صدارت بھی کی، خاص طور پر مارچ ۱۹۲۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ کی صدارت کی اور تاحیات ان کی سرپرستی قائم رہی۔

حجاز میں انقلاب اور وفد خلافت کی قیادت :

خلافت عثمانیہ کے الغاء کے بعد حجاز شریف حسین کے قبضہ میں رہا، چونکہ شریف حسین کی ملت فروشی اور غداری کی وجہ سے عالم اسلام اس سے بالکل بیزار تھا، اور نجد کے حکمراں آل سعود اور اشراف مکہ میں پرانی عداوت چلی آرہی تھی، اس ملت فروشی نے اس کو مزید بڑھا دیا، چنانچہ نجد کے فرمانروا سلطان عبدالعزیز آل سعود نے ۱۹۲۴ء میں حجاز پر حملہ کر دیا، سلطان کی فوج مضبوط تھی، اور حجاز والے بھی شریف حسین سے نالاں تھے، اس لئے انہوں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی، اور سلطان عبدالعزیز نے مکہ اور طائف پر قبضہ کرلیا، شریف حسین نے بھاگ کر جدہ میں پناہ لی، اور اپنے لڑکے شریف علی کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

خلافت عثمانیہ کے الغاء سے عالم اسلام کے مسلمان پہلے ہی سے مضطرب تھے، ادھر حجاز پر سلطان عبدالعزیز کے قبضہ کے بعد یہ بات مشہور ہوگئی کہ نجدی فوجوں نے طائف میں قتل عام مچایا، اور آثار و مشاہد کو منہدم کر دیا، اس لئے خلافت کمیٹی نے سلطان عبدالعزیز،

شریف علی، جمعیت اقوام برطانیہ کو تار بھیجے، شریف علی نے جواب دیا کہ وہ خود حجاز میں امن و امان چاہتے ہیں، اس لئے وہ جدہ آ گئے ہیں، اور خواہش کی کہ کوئی شخص درمیان میں پڑ کر صلح کرادے، لیکن سلطان عبدالعزیز کا مقصد شریف حسین اور ان کی ذریت سے حجاز کو پاک کرنا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ میرا مقصد مکہ معظّمہ پر قبضہ نہیں، بلکہ وہاں کے باشندوں کو مظالم اور ناقابل برداشت ٹیکسوں سے نجات دلانا اور مکہ میں شریعت کا احیاء واحکام الٰہی کا نفاذ ہے، اور مکہ میں شریعت کے علاوہ کسی بادشاہ کی حکومت نہ ہوگی۔

خلافت کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ حجاز میں دنیائے اسلام کے مشورہ سے جمہوری اور شرعی حکومت قائم ہو، جس سے شریف حسین اور ان کے خاندان کا کوئی تعلق نہ ہو، اور اس مقصد کے لئے جلد سے جلد مکہ میں اسلامی دنیا کی نمائندہ کانفرنس منعقد کی جائے، اس مسئلہ پر گفت وشنید کے لئے ۱۹۲۴ء میں ایک وفد علامہ سید سلیمان ندویؒ کی قیادت میں حجاز گیا، اس کے ارکان میں مولانا عبدالماجد بدایونی، اور مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔

شریف علی جدہ ہی میں تھے، اس لئے وفد نے ان سے گفتگو کی، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خلافت کمیٹی کی تجویزیں پیش کی، لیکن انہوں نے کہا کہ مکہ میں جمہوری حکومت ناممکن العمل ہے، اور عالم اسلام کے نمائندوں کی کانفرنس بے سود ہے، البتہ وہ ایسی دستوری حکومت کی تجویز پیش کر سکتے ہیں، جس کے بادشاہ وہ خود ہوں، یہ شرطیں ایسی تھی کہ خلافت کمیٹی اور سلطان عبدالعزیز دونوں ان سے راضی نہیں تھے، وفد خلافت نے سلطان عبدالعزیز سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن شریف علی نے اس کی اجازت نہیں دی، وفد دو مہینے قیام کے بعد ہندوستان واپس آ گیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ حجاز کے معاملات پر بات کرنے کے لئے مصر گئے، اور وہاں شیخ الأزہر، اور مصر کے دوسرے ارکان وعمائد سے ملے، اور ان کو اپنا ہم خیال بنایا، اور مصر کے اخبارات نے اس کو جلی عنوانات سے شائع کیا، اور وطن واپس آ گئے۔

اس کے کچھ مہینے کے بعد خبر آئی کہ سلطان عبدالعزیز مدینہ منورہ میں فاتحانہ داخل

ہوئے،اور ۱۹۲۵ء میں انہوں نے پورے حجاز میں اپنی حکومت قائم کردی،اس کے بعد سلطان نے مؤتمر اسلامی کے دعوت نامے عالم اسلام کی تحریکوں اور علماء کو بھیجے، ہندوستان میں تین دعوت نامے آئے: جن میں ایک خلافت کمیٹی، دوسرے جمعیۃ علماء اور تیسرے اہل حدیث کانفرنس کے نام،ان تینوں نے اپنے اپنے نمائندے بھیجے،خلافت کمیٹی کی قیادت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کی ،اس کے ارکان میں مولانا محمد علی جوہر اور شعیب قریشی تھے،خلافت کمیٹی کا وفد مئی ۱۹۲۶ء کے آخر میں جدہ پہونچا،اس نے سلطان عبدالعزیز سے ملاقات کی اور اپنے پرانے موقف کا ذکر کیا،علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالی،اور کہا کہ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ کفر کے مقابلہ میں تمام اسلامی فرقوں کو یکجا کریں نہ کہ آپس کے اختلاف کو اور زیادہ بڑھائیں،مزید کہا کہ مقابر اور مآثر دونوں کی حیثیتیں الگ الگ ہیں،مقابر کی تعمیر کرنے کے متعلق احادیث وفقہ میں ممانعت کے تصریحی الفاظ ملتے ہیں،گو ایک فریق ان کی تاویل کرتا ہے،اور ایسا نہیں سمجھتا،تاہم اس کی ایک شرعی حیثیت ہے،اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے اسلام کے سامنے کھلے طریق سے اس مسئلہ کو پیش کر کے ان کے متعلق فتوی طلب کیا جائے، جو یقیناً کثرت تعداد کے لحاظ سے حق کے خلاف نہ ہوگا،لیکن مآثر یعنی وہ مقامات مقدسہ جن کو آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے کوئی خاص نسبت ہے،ان کی حفاظت کرنا یا ان کی تعمیر و بنا کی ممانعت سے احادیث نبوی کا تمام تر دفتر خالی ہے،اس پر اگر بحث ہوسکتی ہے تو صرف ان کی صحت اسناد وعدم صحت سے ہے،البتہ ان مآثر میں اگر جاہل مسلمان ایسے اعمال کریں جو خلاف شرع ہوں تو دوسری چیزوں کی طرح یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہاں ایسے نگراں یا پولیس کے سپاہی مقرر کرے، جو زائرین کو ان کے اعمال سے باز رکھیں۔

ان باتوں کو سن کر سلطان عبدالعزیز نے جواب میں کہا کہ میں مذہبی عالم نہیں ہوں ، اس لئے اس کا جواب نہیں دے سکتا ، آپ اس بارے میں ہمارے علماء سے گفتگو کیجئے ،اور اس کے لئے ایک مجلس العلماء مقرر کردی۔ دوسرے دن مجلس العلماء کا جلسہ ہوا، اس میں اسلامی ملکوں کے علماء شریک ہوئے ،علامہ رشید رضا مصری خاص طور پر قابل ذکر

ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس موقع پر بھی خلافت کمیٹی کی تین تجویزیں پیش کی:
(۱) کتاب وسنت پر عمل کے ساتھ ساتھ ان امور میں وسعت دینی چاہئے، جن میں خود صحابہؓ اور تابعینؒ مختلف الرائے تھے اور احادیث وعمل صحابہؓ سے اس کی مثالیں پیش کیں۔
(۲) کتاب وسنت کے تمسک کے نتائج کا سب سے پہلا مظہر حکومت کو ہونا چاہئے یعنی طرز اول کے مطابق خلیفہ کا انتخاب شرعی طریقہ پر ہونا چاہئے، جو وراثت سے پاک ہو۔
(۳) مآثر ومقابر دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ان کے احکام بھی جدا جدا ہیں۔ اس کے بعد ایک کمیٹی بنائی گئی، جس نے کچھ سفارشیں طے کیں، اور ایک دوسری کمیٹی بنائی گئی، جو مؤتمر کا دستور اساسی بنانے کے لئے منتخب کی گئی تھی، جس کے صدر کثرت رائے سے شریف عدنان قرار پائے اور نائب صدر علامہ سید سلیمان ندویؒ، مؤتمر کا صدر مقام مکہ معظّمہ قرار پایا، اور اس کے اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل تھے:
(۱) مسلمانوں میں باہم تعارف، شناسائی، اتحاد واتفاق اور اسلامی اخوت پیدا کرنا (۲) ان کے دینی، اجتماعی اور اقتصادی مسائل اور ان کی ترقی پر غور وفکر اور اس کے لئے عملی جدوجہد کرنا (۳) حجاز کے مقدس مقامات میں امن وامان کے استحکام پر غور وخوض کرنا اور وہاں آرام وآسائش، حفظان صحت اور مواصلات کے وسائل فراہم کرنا، حج میں سہولتیں پیدا کرنا اور اس میں جو دقتیں پیش آئیں ان کو رفع کرنا، حجاز اور اس کے حقوق کی حفاظت اور ان کی نگرانی، اور یہ طے پایا کہ حج کے موقع پر ہر سال مؤتمر مکہ مکرمہ میں ہوا کرے گی۔

وفد خلافت اپنی مشن میں پوری طرح کامیاب تو نہ ہوسکا، لیکن اس کی کوششیں زمانہ کے حالات کے لحاظ سے رائیگاں نہیں گئیں اور مؤتمر کے فیصلے حکومت کی آئندہ پالیسی پر اثر انداز ہوئے، جولائی ۱۹۲۶ء میں یہ وفد ہندوستان واپس آیا۔

اس سفر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حج وزیارت کا بھی شرف حاصل کیا اور مکہ ومدینہ کے اسلامی کتب خانوں کو بھی دیکھا، معارف ستمبر ۱۹۲۶ء میں اس کی تفصیلی روداد درج کی ہے۔

افغانستان کا علمی و تعلیمی سفر:

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں حکومت افغانستان نے اپنے ملک کے علمی و تعلیمی مسائل پر غور ومشورہ کے لئے علامہ اقبال، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کو افغانستان مدعو کیا، یہ سفر اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ہوا، اس درمیان کابل، غزنین، قندھار وغیرہ یہ وفد گیا، نادر شاہ بادشاہ افغانستان سے بھی ملاقات ہوئی، اور دیگر وزراء نے بھی مدعو کیا، ، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے وہاں کے مدارس اور اسکولوں کا معائنہ کیا، اس کی پوری روداد سفر نامہ افغانستان کے نام سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے شائع ہو چکی ہے۔

جامعہ ملیہ کا قیام اور علامہ سید سلیمان ندویؒ:

ہندوستان میں انگریز تجارت کے راستے سے آئے، لیکن آہستہ آہستہ اس کی سیاسی باگ ڈور سنبھال لی، اور ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر ان کا سیاسی قبضہ ہو گیا، اس کے بعد انہوں نے اس کے تعلیمی نظام پر اثر ڈالنا شروع کیا، اور پورا نصاب ونظام بدل کر رکھ دیا، تحریک آزادی میں عدم موالات (نان کوآپریشن) کی تحریک اٹھی، جس کے ہراول دستہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی تھے، اس تحریک نے سرکاری درسگاہوں کے بائیکاٹ اور آزاد قومی درسگاہوں کے قیام کا منصوبہ بنایا، اسی تناظر میں علی گڑھ محمڈن اورینٹل کالج کے چند طلبہ نے کالج چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے کالج کو وقتی طور پر بند کرنا پڑا، چنانچہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے ہاتھوں علی گڑھ ہی میں پہلی آزاد قومی درسگاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا، اس کے اصل بانی مولانا محمد علی جوہر، حضرت شیخ الہند، اور حکیم اجمل خان تھے، اس کے ارکان میں گاندھی جی، موتی لال نہرو، سروجنی نائیڈو اور بہت سے قومی رہنما تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی اس کے رکن رکین تھے، اور ایک زمانہ تک اس کے کاموں میں عملی حصہ بھی لیتے رہے، اور اس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے رہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کے تین مہینے بعد اس کے ردعمل میں دسمبر ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ کالج کو

یونیورسٹی کا درجہ مل گیا، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے بفضلہٖ آج بھی سرگرم عمل ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی اگست ۱۹۲۷ء کے معارف میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہوں میں جامعہ ملیہ دہلی ایک ایسی درس گاہ ہے، جس کا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا ہے، جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ ور ہوں اور اپنے دل میں ملک وملت اور قوم و مذہب کا درد رکھتے ہوں اور اس کی خدمت اپنا مشغلہ زندگی بنالیں، اس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کرسکیں۔

اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت میں چند گذارشیں پیش کی جائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس مختصر سی مذہبی وعربی تعلیم میں ''مجتہدیت'' کی شان پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے، اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ ''پڑھے لکھے جن'' مسلم یونیورسٹی کے اَن پڑھ جنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں، اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کی معاشرت وسیاست میں ہندویت کا رنگ نمایاں نہ ہو، فرنگیت اور ہندویت دونوں اسلام سے مغایرت میں یکساں ہیں، ان میں فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے، جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اس کے ہر استاذ اور طالب علم کے سامنے رہیں۔

یہ بھی پیش نظر ہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلاء سے آزادی کی تحریک نہیں، بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کر اس کے دماغی وذہنی استیلاء سے آزادی کی تحریک ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہم یورپ سے ان کے نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے مذہبی حقائق، مشرقی علوم وآئین، اصلاح وتجدید کا درس بھی اسی سے حاصل کریں، اور اس کی تصدیقی سند ومہر کو ہم ان کی صحت کا معیار جانیں۔''(۱)

(۱) معارف اگست جولائی ۱۹۲۷ء

مسلم یونیورسٹی کا پچاس سالہ جشن اور کورٹ کی رکنیت:

دسمبر ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کا پچاس سالہ جشن منعقد ہوا، اس موقع پر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ (تعلیمی مسائل و دیگر معاملات میں مسلمانان ہند کا نمائندہ ادارہ) کا بھی جلسہ ہوا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان تمام جلسوں میں شرکت کی، اور جنوری ۱۹۲۵ء میں معارف میں اپنے تأثرات کا اظہار اس طرح کیا:

''جوبلی کا اجلاس ہر حیثیت سے نہایت شاندار تھا، کئی ہزار کا مجمع تھا، بجز دو طبقوں کے ہر طبقہ کے مسلمان بھی تھے، انگلستان اور ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں کے نمائندے بھی شریک تھے، وائسرائے، حضور نظام، دیگر حکام اور مسلمان روسائے کے تہنیت نامے بھی آئے تھے، افغانستان کی تعلیمی نمائندگی بھی تھی، اور لوگوں کو اس سے بے حد دلچسپی تھی، قوم کے مدعیان رہنمائی اور مشاہیر بھی تھے، اور یہ ایک دلچسپ نظارہ تھا، مگر ان لال ٹوپیوں کے بیچ میں ہماری آنکھیں جبہ و دستار کو بھی ڈھونڈ رہی تھیں، السنہ مغربی کی یونیورسٹیوں کے نمائندوں کی صف میں ہم اپنی مشرقی درسگاہوں کے فضلاء کو بھی دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے، مگر وہ نہ تھے۔

یہ موقع تھا کہ واقعی علی گڑھ تحریک کی پنجاہ سالہ جدوجہد پر ایک تبصرہ کیا جاتا، اور اگر مسلمان دوسرے رہنماؤں کی غلط پیروی میں برباد ہو رہے ہیں تو ان کو صحیح ہدایت کی جاتی، اور مسلم یونیورسٹی کو صحیح مسلمان یونیورسٹی بنانے کے لئے غور کیا جاتا، اور امراء کی جیبوں کو ٹٹولنے کے علاوہ ارباب دانش کے سینے بھی ٹٹولے جاتے اور آئندہ کے لئے قوم کی تعلیمی و عملی جدو جہد کے لئے ایک پروگرام بنایا جاتا'' (۱)

ایک سال کے بعد مسلم یونیورسٹی میں بعض ارکان کی کوشش سے علوم مشرقیہ کے شعبہ کا قیام عمل میں آیا، اس کے نصاب کی تیاری کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی، جس میں نواب صدر

(۱) حیات سلیمان: ۳۰۵

یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سلیمان اشرف، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالعزیز میمنی راجکوٹی شریک ہوئے، اورانہوں نے علوم مشرقیہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا: عقلیات، دینیات اورادبیات، اور ہرایک کا علیحدہ علیحدہ نصاب بنایا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اپنے نظام کو بہتر بنانے کے لئے ایک یونیورسٹی کورٹ تشکیل دی تھی، جس میں ملک کی نمائندہ شخصیات رکن ہوا کرتی ہیں، وہ اپنی آراء اور خیالات سے یونیورسٹی کو فائدہ پہونچاتی ہیں، جنوری ۱۹۲۷ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کو بھی یونیورسٹی کورٹ کا ممبر منتخب کیا گیا، اور آپ اس کی اصلاحات اور سفارشوں میں برابر شریک رہے۔

دیگر مذہبی وسرکاری پروگراموں میں شرکت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ ملک و بیرون ملک ایک متفق علیہ شخصیت تھے، اور علم وعمل اور قدیم وجدید کے جامع تھے، اس لئے ہر اہم ملکی جلسہ میں لوگ ان کی شرکت کے خواہاں تھے، مئی ۱۹۲۷ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کا جلسہ ہوا، تو اس کے سالانہ جلسے میں منتظمین کے اصرار پر شریک ہوئے، اور لاہور کو ہندوستان کا دروازہ قرار دیا، اور عہد رسالت میں اشاعت اسلام پر تقریر کی، وہاں ڈاکٹر اقبال سے پہلی ملاقات ہوئی، جب کہ ۱۹۱۴ء سے ان سے مراسلت جاری تھی، اسی طرح مدراس میں مجلس العلماء نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اپنے سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت دی، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس میں شرکت کی اور مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر اپنا خطبہ صدارت پیش کیا، جس میں فرمایا: قوم کی تعمیر نوشت وخواند کی کامیابی سے نہیں ہوتی، بلکہ محض اخلاق، عادات اور کیریکٹر کی خوبی سے ہوتی ہے، قرآن پاک نے تمام گذشتہ قوموں کے حالات اور ان کی تباہی و بربادی کے واقعات بیان کئے ہیں، ان میں اس نکتہ کو خاص طور سے دکھایا ہے کہ مسلمانوں نے جب ایران فتح کیا، جب رومیوں کو شکست دی، جب مصر وشام پر قبضہ کیا، تو اس وقت وہ اہل ایران اور رومیوں سے ظاہری نوشت وخواند اور علوم وفنون میں بہتر نہ تھے، تاہم جو چیز ان

کی کامیابی کا ذریعہ بنی وہ ان کے اچھے اخلاق، ان کے نیک اطوار اور ان کا بہتر کریکٹر ہے، آج کل کی زندگی میں بھی جو چیز قوم کو اس ادبار سے نجات دلاسکتی ہے وہ وہی اخلاق اور اعمال صالحہ ہیں، اللہ تعالی نے اپنی خلافت اور فضل وکرم کا وعدہ اس قوم سے کیا ہے جو ایمان اور عمل صالح میں بہتر ہے، اور دنیا کی کامیابی اسی کے لئے ہے: وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الأرض (النور:۵۵)(جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا)، اس کے لئے آخرت کی کامیابی کا وعدہ ہے: وعد اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات منھم مغفرۃ وأجرا عظیما (الفتح:۲۹)(ایمان اور عمل صالح والوں سے خدا نے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے)۔''(۱)

ذیل میں چند ملکی سمیناروں کی ایک جھلک نذر قارئین ہے:

☆ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مدراس جنوبی ہند میں اسلامی تعلیمی انجمن کی دعوت پر ۱۹۲۵ء میں سیرت نبوی پر آٹھ خطبات دیئے، جو خطبات مدراس کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

☆ الہ آباد میں ہندوستانی اکیڈمی کی فرمائش پر مارچ ۱۹۲۹ء میں عرب و ہند کے تعلقات پر کئی خطبے دیئے، ان میں دونوں کے قدیم تعلقات کو بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے۔

☆ مارچ ۱۹۳۰ء میں بمبئی گورنمنٹ کے شعبہ تعلیم کی دعوت پر انجمن اسلام بمبئی میں عربوں کی جہاز رانی پر چار خطبے دیئے، وہ بھی کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

☆ دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس اور ہسٹاریکل رکارڈس سوسائٹی کا اجلاس پٹنہ میں ہوا، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ شریک ہوئے اور خیام پر ایک مقالہ پڑھا۔

☆ پروفیسر رشید احمد صدیقی شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی فرمائش پر مارچ ۱۹۳۳ء میں انجمن اردوئے معلیٰ میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کی صدارت میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''ہندوستان میں ہندوستانی'' پر ایک مبسوط

(۱) حیات سلیمان: ۳۴۳۔۳۴۴

خطبہ دیا، جس میں اردو زبان سے متعلق بہت سے اصلاحی مشورے دیئے۔

☆اپریل ۱۹۳۳ء میں ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں ''لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور قلعہ بنایا'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔

☆جون ۱۹۳۴ء میں سید عبدالعزیز وزیر تعلیم بہار واڑیسہ کی دعوت پر عربی مدارس کے نصاب کی ترتیب کے لئے رانچی کا سفر کیا، اس کمیٹی کے ایک رکن مولانا مناظر احسن گیلانی بھی تھے۔

☆انگریزوں نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لئے ایک نقشہ تیار کیا، جس میں عربوں کو فلسطین میں ان کے حقوق سے محروم کر کے یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے ان پر مسلط کیا گیا، اس سے پوری دنیا میں ایک طوفان برپا ہوگیا، اس کے احتجاج میں نومبر ۱۹۳۶ء میں دہلی میں مولانا کفایت اللہ اور مولانا شوکت علی نے فلسطین کانفرنس منعقد کی، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اس کا باصرار صدر بنایا، علامہ نے اس کانفرنس میں بڑا فاضلانہ خطبہ دیا، جو پوری عرب دنیا میں پسند کیا گیا، مجلس اعلیٰ فلسطین کے صدر مفتی امین الحسینی نے بذریعہ تار اس کا شکریہ ادا کیا۔

☆اسلام کا اپنا مستقل سیاسی و اقتصادی نظام ہے، عربی میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں ہیں، لیکن اردو میں کوئی مستقل کتاب نہیں، تحریک پاکستان کے موقع پر جب اسلامی نظام کا غلغلہ بلند ہوا تو اہل علم نے اس کی طرف توجہ کی، جنوری ۱۹۴۱ء میں جناب محمد احمد سعید خان نواب چھتاری کی صدارت میں ایک کمیٹی قائم ہوئی، جس کے ارکان علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور ڈاکٹر ذاکر حسین تھے، اس موضوع پر ایک جلسہ ہوا، جس میں اسلامی سیاست واقتصادیات پر ایک کتاب مرتب کرنے کی تجویز پاس ہوئی، مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کو یہ کام سپرد کیا گیا، انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے یہ کتاب تیار کی، علامہ سید سلیمان ندوی اس جلسہ کے کنوینر تھے۔(۱)

(۱) حیات سلیمان: ۴۸۶

تصنیفات ورسائل: ایک مطالعہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے علمی اور تاریخی موضوعات پر متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں، وہ اعلیٰ تحقیق ومطالعہ کا نچوڑ ہیں، ان تصنیفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اصل مصادر ومراجع سے استفادہ کیا ہے، دینی موضوعات میں قرآن وحدیث اور مستند کتب تاریخ اور تقابلی مطالعہ میں دیگر مذاہب کی بنیادی کتابوں، آثار قدیمہ کی تحقیقات پیش نظر رہی ہیں۔ جناب صباح الدین عبدالرحمٰن علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اسلوب نگارش کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''مضمون کی کچھ قسمیں بھی ہیں: عنکبوتی، نملی، نخلی۔ عنکبوتی تو وہ ہیں جو عنکبوت یعنی مکڑی کی طرح اپنی تحریروں کے جالے بن کر اپنے کو مطمئن کر لیتے ہیں، نملی وہ ہیں جو اپنی تحریروں میں چیونٹیوں کی طرح اِدھر اُدھر سے اپنے خیالات کے ذرے اور ریزے جمع کر کے ایک انبار لگا دیتے ہیں، نخلی وہ ہیں جو شہد کی مکھیوں کی طرح اپنی تحریروں میں خیالات کے شہد جمع کر دیتے ہیں، سید صاحب اپنی تحریروں میں محقق بھی ہیں، مفسر بھی ہیں، محدث بھی ہیں اور متکلم بھی، اپنی تحقیق میں عنکبوتی نہیں نظر آتے ہیں، اور نہ مفسر ومحدث بن کر نخلی دکھائی دیتے ہیں، بلکہ محقق ہوں یا مفسر ہوں یا محدث ہوں یا متکلم ہوں، نخلی بن کر اپنے ناظرین کو محظوظ کرتے ہیں، وہ اسلامی علوم وفنون کے پھولوں سے رس نچوڑ کر اپنی تحریروں کے ذریعہ تحقیق، تفسیر، حدیث اور کلام کے شہد کا جوئبار بلکہ رود بار بہاتے ہیں'' (۱)

(۱) حضرت استاذی المحترم: ۳۷۳

ذیل میں علامہ سید سلیمان ندوی تصنیفات کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

(۱) رسالہ اہل سنت والجماعت :

یہ رسالہ ۴۲ رصفحات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع پر نہایت مکمل و جامع ہے، اس رسالہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لفظ (اہل سنت والجماعت) کی اصل حقیقت بیان کر کے لوگوں کے ذہنوں سے شکوک وشبہات کو دور کر دیا ہے ،اس کی لغوی ،معنوی اور اصطلاحی تشریح کر کے بتایا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے، جن کے عقائد، اعمال اور مسائل کا محور پیغمبر علیہ السلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام کا اثر مبارک ہے، انہوں نے مزید توضیح کے لئے سنت کے مقابل لفظ بدعت کی بھی تشریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن عقائد کی اپنی امت کو تلقین فرمائی اور مذہب کا جو طریقۂ عمل متعین فرمایا، اس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی بدعت ہے اور کسی حال میں وہ اسلام کا جزء قرار نہیں پا سکتے۔

اس رسالہ میں فرقہ بندی کی تاریخ اور اس کے اسباب کی تفصیل پیش کر کے اہل سنت والجماعت کو سب سے ممتاز گروہ ثابت کیا گیا ہے، اس کا موضوع ہے کہ اختلافات کی ابتدا حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت کے اخیر سے ہوئی ،اسلام دوسرے مذاہب کی طرح عقائد اور عبادات کے عناصر سے مرکب ہے، مگر فرق یہ ہے کہ اسلام عقائد کی وسعت اور کثرت کا شائق نہیں، بلکہ اس کے رسوخ، استواری اور شدت اذعان کا طالب ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بیان کیا ہے کہ اہل سنت کے مذہب کی بنیاد ان دو اصولوں پر قائم ہے:

(۱) داعی اسلام ﷺ نے عقیدہ اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی ،اس میں ایک ذرہ بھی زیادتی یا کمی نہیں ہوسکتی۔

(۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا، یا آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی، صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل وقیاس واستنباط سے اس کی تشریح وتفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کے لئے ضروری ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو۔

اسلام میں بہت سے ایسے فرقے ہیں، جو درحقیقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں، اسی طرح بہت سے فرقے بھی ہیں جو خود کو اہل السنۃ کہتے ہیں، لیکن حقیقۃً وہ ان میں سے نہیں ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ قدمائے اہل السنۃ نے جو اصول طے کئے، دیگر عقل پرستوں کے اعتراضات سے مرعوب ہوکر متأخرین نے ان میں صریح تحریف کی اور صحیح راستہ سے انحراف کیا اور بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو اہل السنۃ سمجھتے ہیں، بلکہ لفظ اہل سنت کا صحیح مخاطب صرف اپنے ہی کو جانتے ہیں، تیسری اور چوتھی صدی سے اہل السنۃ تین عظیم الشان شاخوں میں منقسم ہیں: (۱) اشاعرہ (۲) حنابلہ (۳) ماتریدیہ

آخر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس رسالہ میں کلی اصول بیان کئے ہیں، نیز ان کے چند جزئی مسائل تقدیر، کلام الٰہی اور استواء اور ان سے متعلق چیزوں کو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

(۲) تاریخ ارض القرآن:

یہ کتاب سیرت النبی ﷺ کے دیباچہ کے طور پر لکھی گئی تھی، لیکن طوالت کی بنا پر اسے مستقل کتاب کی حیثیت دے دی گئی، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رائے ہے کہ قرآن میں عرب کی بیسیوں قوموں، شہروں، اور مقامات کا تذکرہ ہے، لیکن تیرہ سو برس میں ایک کتاب بھی خالص اس موضوع پر نہیں لکھی گئی، جس کی بنا پر غیروں کو انہیں افسانہ کہنے کا موقع ملا، بعض نے عرب کے ادعاء نسب سے انکار کیا، اور یہ کہنے کی جرأت کی کہ اسلام سے پہلے کا عرب مابعد سے کہیں بہتر تھا، انہیں اعتراضات وشبہات کو ختم کرنے کے لئے علامہ

سید سلیمان ندویؒ کو یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

سبب تالیف کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ خود رقمطراز ہیں: ''اس کا اہم مقصد یہ تھا کہ قدیم وجدید معلومات کی تطبیق کے ساتھ ارض القرآن یعنی عرب کے حالات کی اس طرح تحقیق ہو کہ قرآن مجید کی صداقت اور معترضین کی لغزش علی الاعلان آشکارا ہوجائے''، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے علامہ موصوف نے خاصی محنت و جانفشانی کی، اور براہ راست تورات وانجیل کو کھنگالا، جس کے لئے انہوں نے عبرانی زبان سیکھی۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ ۳۱۵ر صفحات پر مشتمل ہے، اس میں قرآن مجید کی تاریخی آیات کی تفسیر، سرزمین قرآن (یعنی) عرب کا جغرافیہ، عرب کے سیاسی، تاریخی، نسبی، قومی حالات اور قرآن میں جن عرب اقوام وقبائل جیسے عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الاخدود، اصحاب الفیل کا ذکر ہے، ان کی تاریخی اور اثری تحقیق کی گئی ہے، اور یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید وتصدیق کی گئی ہے۔

دوسرا حصہ ۲۳۳ر صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بنو ابراہیم کی تاریخ اور عرب قبل از اسلام تجارت، زبان اور مذہب پر قرآن مجید کے بیان، تورات کے آثار اور یونان وروم کی تاریخ کے مطابق عمدہ تحقیق کی گئی ہے۔

خلاصہ کہ یہ کتاب'' مصنف کی علمی ہمہ گیری، قلمی صاحبقرانی، علم وعرفان کی فرمانروائی اور اسلام کی عزت وناموس کی خاطر ان کی قلمی سرفروشی اور جانبازی کی بین دلیل'' ہے، جس نے ایک مقبول ومستند کتاب کی حیثیت سے علم کے میدان میں اپنی اہمیت کا احساس دلایا۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (مقیم لندن) نے کیا ہے، اور وہ ترجمہ ''تاریخ ارض القرآن'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔

(۳) خطبات مدراس:

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ان خطبات کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ''مدراس مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن'' کی دعوت پر مدراس میں دیئے، یہ آٹھ خطبات ہیں، جو سیرت نبویؐ کا جوہر وعطر ہیں۔

آٹھ خطبات پر مشتمل اس کتاب کے پہلے خطبہ کا خلاصہ ہے کہ انسانیت کی تکمیل صرف انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے ہی ہوسکتی ہے، اگر کسی طبقۂ انسانی نے بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قوی میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں تو وہ صرف انبیاءؑ کا طبقہ ہے۔

دوسرے خطبہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ انسانوں کے لئے عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے، کیونکہ آپ کامل شریعت دے کر بھیجے گئے تھے، آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا، اور آپ بیک وقت شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور روشن چراغ تھے، اسی کے ساتھ آپ کی سیرت دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں چار اعتبار سے انسانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: تاریخیت، کاملیت، جامعیت اور عملیت، ان چاروں معیار پر آپ کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت پوری نہیں اترتی ہے، اور یہی ختم نبوت کی دلیل ہے۔

تیسرا خطبہ جو تاریخیت پر مشتمل ہے یعنی ایک کامل انسان کے جو سوانح وحالات پیش کئے جائیں، وہ تاریخ اور روایات کے لحاظ سے مستند ہوں، جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے واضح کیا کہ کس طرح راویان حدیث یا محدثین اور ارباب سیر آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور متعلقات زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، جن میں صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں اور کس طرح سے راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا کرتے تھے، اس کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مختلف جگہوں پر متعدد انگریزی مصنفین کی تصنیفات کے اقتباسات پیش کئے ہیں، جن میں ان کے یہ اعترافات موجود ہیں کہ آپ سے زیادہ کسی بھی شخصیت کو تاریخی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔

چوتھا خطبہ جو آپ کی کاملیت کا خلاصہ ہے یعنی آپ کی زندگی کا کوئی مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا، جو آپ کے زمانہ کے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو، پیدائش، شیر خوارگی، بچپن، ہوش، جوانی، تجارت، آمدورفت، شادی، احوال قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، اور خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا، رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حراء کی گوشہ نشینی، وحی کا ظہور، دعوت وتبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت، غزوات، صلح حدیبیہ، دعوت اسلام کے نامہ وپیغام، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع، وفات حتی کہ روزمرہ کے معمولات بھی اہل تاریخ اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے موجود ہیں، اور ایسی ہی کامل زندگی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہوسکتی ہے۔

کتاب کا پانچواں خطبہ جامعیت سے متعلق ہے یعنی ایک شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، وہ صرف حضرت محمد ﷺ کی سیرت ہے، اس دنیا میں بہت سے انبیاء آئے، ان میں سے کسی کی زندگی جنگ وجہاد، اجتماعی دستور وقوانین کی مثال پیش کرتی ہے، کسی کی زندگی تواضع و انکسار اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، کسی کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، کسی کی زندگی ندامت، انابت اور اعتراف کی مثال ہے، کسی کی زندگی قید وبند میں دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ مذکورہ بالا تمام صفات کا مجموعہ تھی، کسی نے سچ کہا ہے : ؎

حسن یوسف ، دم عیسیٰ، ید بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چھٹا باب عملیت ہے، جو کسی کی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے آخری شرط ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ شارع دین اور داعی مذہب جس تعلیم کو پیش کررہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، چنانچہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر اپنے پیروؤں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کرکے دکھایا، اور جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپ نے

خوداس کوکر کے بتایا،صلح و جنگ ،فقر و دولت ،ازدواج و تجرد ،تعلقات خداوندی وتعلقات عباد ،حاکمیت ومحکومیت ،سکون وغضب ،جلوت وخلوت ،عفو ودر گزر، جود وسخا،مہمان نوازی،حق گوئی ،رحم وکرم،اس کے علاوہ حسن عمل وحسن خلق کی باتیں جس قدر آپ نے فرمائیں ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا۔

ساتواں خطبہ پیغمبر علیہ السلام کے پیغام کو محیط ہے ،جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپﷺ کے پانچ بنیادی اصولی پیغام کو قرآن کریم کی آیتوں کے سامنے رکھ کر پیش کیا ہے: (۱)انسان کائنات کا سرتاج ہے ،وہ خلافت الٰہی سے ممتاز ہے ،وہ خالق کائنات کا مقصود ہے،اور''لقد کرّمنا بنی آدم''اس کا طغرا ہے(۲)انسان بہترین حالت ،بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے،لیکن وہ اپنے عمل کے بنا پر نیک و بد ہو جاتا ہے(۳)ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں (۴)اسلام میں پجاریوں ،کاہنوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے ، یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ،عبد ومعبود کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں (۵) آخری بنیادی پیغام محمدیﷺ یہ ہے کہ انبیاء نہ خدا ہیں ،نہ خدا کے مثیل ہیں ،وہ بشر ہیں اور بشریت کے جامہ میں ہیں،انہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا تعالیٰ کے اذن واشارے سے کیا ہے۔

کتاب کا آٹھواں اور آخری خطبہ پیغام محمدی کا عمل ہے،جس میں توحید کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو غلط فہمیاں تھیں ان کو تین اسباب سے پیغام محمدی نے دور کیا اور ان کی حقیقتوں کو واضح کیا،ان میں پہلا سبب جسمانی تشبیہ وتمثیل ہے یعنی دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے خدا کو،خدا کی صفتوں کو اور خدا و بندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے خیالی یا مادّی تشبیہیں اور تمثیلیں ایجاد کی،لیکن پیغام محمدی نے ان تمام تشبیہی اور تمثیلی صورتوں،طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا اور اس نے صاف اعلان کیا کہ''لیس کمثلہ شیء''توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب صفات کا مسئلہ ہے یعنی صفات کو ذات

الٰہی سے الگ مستقل طور پر وجود کو تسلیم کرنا مثلاً عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفات حیات، علم اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کرلیا، لیکن پیغام محمدی نے اس غلطی کا پردہ چاک کردیا اور صفات کی نیرنگی سے دھوکہ کھا کر چند کو خدا سمجھنا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا، اسی طرح سے توحید میں غلط فہمی کا تیسرا سبب افعال الٰہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے سمجھا کہ ہر کام کے لئے الگ الگ خدا ہیں، کوئی مارتا ہے، کوئی جلاتا ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے، کوئی دولت کی دیوی ہے، لیکن پیغام محمدی ﷺ نے بتایا کہ سب کے سب ایک ہی خدا کے کام ہیں۔

اس کتاب کا عربی ترجمہ پہلے مولانا محمد ناظم ندوی (پاکستان) نے "الرسالة المحمدية" کے نام سے کیا تھا، پھر مولانا رحمت اللہ ندوی (مقیم دوحہ، قطر) نے تخریج احادیث کے ساتھ اس کا نیا ترجمہ کیا ہے، جو شائع ہو چکا ہے۔

(۴) سیرت النبی ﷺ (سوم):

علامہ سید سلیمان ندویؒ دنیائے علم و معرفت کے بحر بیکراں، علم جدید و قدیم کے علمبردار تھے، انہوں نے اپنے استاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کی حاصل زندگی سیرت النبیؐ کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا، اور اس میں کامیاب ہوئے۔ علامہ شبلیؒ نے سیرت النبی کی تالیف کا ایک جامع تخیل پیش کیا تھا، اور اسی منصوبہ کے مطابق انہوں نے دو جلدیں تالیف کیں، جن میں علامہ سید صاحبؒ کا تعاون رہا، مرض الوفات میں وصیت کے طور پر انہوں نے اس سلسلہ کے تکمیل کی ذمہ داری اپنے شاگرد علامہ سید سلیمان ندویؒ کو دی، انہوں نے اس کا لحاظ کیا، اور پونہ کی ملازمت سے سبکدوشی اختیار کی اور دارالمصنفین کے مجوزہ نقشہ میں رنگ و روغن بھر کر اس کو عملی شکل دی۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب سیرت النبی ﷺ جلد سوم بھی ہے، یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۶۰۱ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک ایسی بحث چھیڑی ہے، جس کو عموماً لوگ سیرت کا حصہ نہیں سمجھتے ہیں، سب

سے پہلے انہوں نے نبوت کی حقیقت کو واضح کیا ہے اور کہا ہے کہ انبیاء کا اصل معجزہ تو خود ان کا سرتاپا وجود ہے اور فرمایا کہ یہ فعل تو ذات نبوی سے صادر ہوتا ہے، لیکن اس کے سمجھنے کے لئے مشیت الٰہی کارفرما ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ امکان معجزہ، استبعاد معجزہ اور غایت معجزہ پر مفصل گفتگو کی ہے، اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سحر و معجزہ میں فرق اور ساحر و پیغمبر کے فرق کو واضح کیا ہے، اس کے ساتھ نبوت کی خصوصیات، مکالمہ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، نزول جبرئیل ومیکائیل، اور عام ملائکہ کے نزول کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

مصنف نے معراج کے وقت و تاریخ، معراج کی صحیح روایتیں، معراج کا واقعہ، معراج میں خدا کو دیکھا یا نہیں، معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری، پھر حالت بیداری ہونے پر استدلال اور معراج کی حقیقت کو قرآنی حوالہ سے نہایت ہی عمدہ اور سہل انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد معراج میں دئے گئے انعامات کا تذکرہ فرماتے ہوئے وہاں کے مناظر کا بھی تذکرہ فرمایا، اس کے بعد شق صدر پر گفتگو فرمائی۔

ایک جگہ رقمطراز ہیں: ''شق صدر کے جو عام معنی مشہور ہیں یعنی قلب اقدس کو آب زمزم سے دھوکر ایمان وحکمت سے بھر دینا، لیکن صوفیائے حقیقت بیں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور معنی سمجھتے ہیں، اور تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عالم برزخ کے حقائق ہیں، جہاں روحانی کیفیت جسمانی اشکال میں اس طرح نظر آتے ہیں، جس طرح خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں''(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شق صدر نہیں، بلکہ شرح صدر ہے، پھر انہوں نے اس کے دلائل پیش کئے ہیں، اس کے بعد قرآن میں معجزات کے تفصیلی ذکر نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے معجزات قرآنی پر مکمل گفتگو فرمائی ہے، اسی کے ساتھ انہوں نے قرآن مجید میں نبوت کے دلائل کا تذکرہ فرمایا، مثلاً

(۱) سیرت النبی: ج ۳/ ۳۳۷

شہاب ثاقب کی کثرت، مکہ سے بیت المقدس کا ایک شب میں سفر، اور فرشتوں کی آمد وغیرہ کا تذکرہ فرمایا اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں معجزات نبویؐ پیش کئے، جیسے بت خانوں میں غیبی آوازیں، اشیاء میں اثر، کھانے میں حیرت انگیز برکت، پانی کا جاری ہونا اور انگلیوں سے پانی نکلنا وغیرہ، اخبار غیب کی پیشین گوئی مثلاً قیصر وکسریٰ کی بربادی کی خبر، امن وامان کی بشارت، فتح شام وعراق کی خبر، حضرت حسینؓ کی شہادت وغیرہ کا تذکرہ فرمایا، الغرض وہ تمام باتیں جن کا تعلق معجزات نبویؐ سے ہوسکتا ہے، ان کا تذکرہ نہایت سہل انداز میں کرتے ہوئے معجزات میں جو غیر مستند روایات ہیں ان کی حیثیت پر کلام کیا ہے، اور سب سے اخیر میں فضائل وخصائص نبویؐ پر روشنی ڈالی ہے۔

(۵) سیرت النبی ﷺ (جلد چہارم):

زیر نظر کتاب (جلد چہارم) جو کئی عنوانات پر مشتمل ہے، ایک فاضلانہ مقدمہ سے شروع ہوتی ہے، جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے وحی کی حقیقت اور اس کے لوازم وخصوصیات کی تشریح کی ہے، جس میں مصنف نے تحقیقی انداز میں یہ بتایا ہے کہ نبوت و رسالت کے مقدس سلسلہ کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کیوں دنیا میں تشریف لاتے ہیں؟ انسانیت کو ان کی ضرورت کیوں ہے؟ ان کی تشریف آوری دنیا کو کیا چیز عطا کرتی ہے جو ان کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی؟ ان موضوعات کے تحت مصنف نے بہت سی مادہ پرست ذہنیت اور باطل مذاہب کے افکار اور نظریات کی تردید کی ہے، فاضل مصنفؒ نے مجوسی، یہودی، عیسائی، اور ہندوستان وعرب کے مذہبی حالت پر جامع تبصرہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ اسلام ان مذاہب کی خامیوں سے کس طرح پاک ہے۔

اسی طرح مصنف نے تبلیغ نبویؐ اور اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب کے عنوان پر اہم بحث کی ہے، دعوت وتبلیغ کی اہمیت وفرضیت اور وسعت کو مصنفؒ نے

اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں پیغمبرانہ دعوتی اصول کی دلنشیں تشریح کی ہے، دعوت وتبلیغ کے جتنے بنیادی اصول جو قرآن وسنت سے ثابت ہوتے ہیں تقریباً سب کو جمع کر دیا ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے سب سے وسیع عنوان عقائد پر قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل کلام کیا ہے، جس کے مطالعہ سے قلب میں خشیت اور انابت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اس عنوان کے تحت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اللہ پر ایمان، توحید کی حقیقت اور وضاحت، فرشتوں پر ایمان، اور ان کی اسلام میں حقیقت، رسولوں پر ایمان اور ان کی واضح حقیقت کا اظہار، کتاب الٰہی پر ایمان اور اس کے مقاصد نیز اس کے عقیدہ کا تکمیلی پہلو، آخرت پر ایمان، برزخ، قیامت، جزا وسزا، دوزخ وجنت، قضا وقدر کو جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

(۶) سیرت النبی ﷺ (جلد پنجم):

سیرت النبی ﷺ کی پانچویں جلد رجب ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی، مصنف کتاب نے اس کو مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے: (۱) عمل صالح (۲) عبادات (۳) نماز (۴) اوقات کی تکمیل (۵) زکوٰۃ (۶) روزہ (۷) حج (۸) جہاد (۹) عبادت قلبی (۱۰) تقوی (۱۱) اخلاص (۱۲) توکل (۱۳) صبر (۱۴) شکر۔

کتاب کے عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح اسلام کے لئے کلمہ کی ضرورت ہے، اسی طرح اتباع رسول کے لئے ضروری ہے کہ نبی وقت کے ہر عمل کی نقالی کی جائے اور اسے زندگی کا شعار بنایا جائے، کیونکہ جب اعمال کے ساتھ صالحیت نہ ہو تو ان میں پختگی نہیں آسکتی اور نہ وہ عمل قابل قبول ہو سکتے ہیں، کیونکہ اسلام نے انسان کی نجات اور فلاح کو انہیں دونوں چیزوں ایمان وعمل صالح پر قرار دیا ہے: (اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وعَمِلُوْاالصَّالِحَاتِ أولئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ)، (فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ

فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَداً)۔

اسلام نے عبادات کی حقیقت اس نہج پر بیان کی ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہو، ایسا نہ ہو کہ انسان غلو میں اتنا بڑھ جائے کہ رہبانیت کی ڈگر پر چلنے لگے اور نہ ہی اتنی اہمیت گھٹادے، جس سے عبادت کا مفہوم فرسودہ نقوش پر رہ جائے۔

عبادات کی فہرست میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے نماز، روزہ، زکاۃ، حج کا تذکرہ کیا ہے، اوران کو ظاہری عبادت تسلیم کیا ہے، اوران کی تفصیلات مدلل پیش کی ہیں۔ باطنی عبادات میں تقوی، اخلاص، توکل، صبر وشکر کی اسلام میں کیا اہمیت ہے، ان کا کیا درجہ ہے، ان کے مراتب کیا ہیں؟ ان کے حدود کیا ہیں؟ تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس طرح اخلاص کے صحیح مفہوم کو اپنی اس کتاب کا مضمون بنایا ہے۔

(۷) سیرت النبی ﷺ (جلد ششم):

سیرت النبیؐ کی یہ جلد ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی، اس میں سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اخلاق کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اسلامی فلسفۂ اخلاق کی تشریح کی ہے، پھر اسلامی اخلاقی تعلیمات کا ذکر کیا ہے، جس کو سات بابوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱) اخلاقی معلموں میں آنحضرت ﷺ کا امتیاز (۲) اسلام کا فلسفۂ اخلاق (۳) اسلام کے اخلاقی تعلیم کا تکمیلی کارنامہ (۴) حقوق وفرائض (۵) فضائل اخلاق (۶) رذائل اخلاق (۷) آداب۔ گویا یہ پوری جلد اخلاق کی تفصیلات پر مشتمل ہے:

> ''ان تمام ابواب کا لب لباب یہ ہے کہ اخلاق حسنہ درحقیقت صفات الٰہی کا سایہ، اس کی صفات کاملہ کا ادنی ترین مظہر، قدرت خداوندی کا پرتو ہیں، طبرانی کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسن الخلق خلق اللّٰه الأعظم (خوش خلقی اللہ کا خلق عظیم ہے)۔''(۱)

(۱) سیرۃ النبی ج ۶/ ۱۹

(۸) سیرت النبی ﷺ (جلد ہفتم):

سیرت النبی ﷺ جلد ششم کی اشاعت کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ارادہ معاملات وسیاسیات پر بھی ایک ضخیم جلد مرتب کرنے کا تھا، لیکن افسوس کہ ان کو اس موضوع پر چند مضامین لکھنے کی نوبت آئی تھی اور وہ اس کی تکمیل بھی نہ کر سکے تھے کہ ان کی زندگی کا آخری ورق الٹ گیا اور وہ اس کتاب کو مکمل نہ کر سکے، لیکن انہوں نے جس پیمانے پر اس کام کو اٹھایا اور ان کے سامنے کتاب کا جو خاکہ اور منصوبہ تھا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اگر مکمل ہو جاتی تو نہ صرف سلسلہ سیرت النبی ﷺ کی تکمیل ہو جاتی، بلکہ ان کے علمی اور ذہنی کمالات و وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا پتہ لگ جاتا، معاملات سے متعلق انہوں نے جو چند ابواب لکھے ہیں، ان ہی کو جمع کر کے سیرت النبی (جلد ہفتم) کے نام سے شائع کر دیا گیا، اس میں پہلے تو معاملات کے عنوان سے ایک مقدمہ ہے، پھر یہ عنوانات ہیں: (۱) اسلام میں حکومت کی اہمیت اور حیثیت (۲) عہد نبوی میں نظام حکومت (۳) سلطنت اور دین کا تعلق (۴) امت مسلمہ کی بعثت (۵) قوت عاملہ یا قوت آمرہ (۶) حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی زندگی کا اصلی راس المال سیرت النبی ﷺ کی یہی جلدیں ہیں، ہمیں یہ لکھنے میں تامل نہیں کہ ان میں وہ ابن اسحٰق اور ابن ہشام سے بہت آگے ہیں، کیونکہ ان سیرت نگاروں نے زیادہ تر مغازی اور شمائل نبوی ﷺ پر زور دیا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی پانچویں جلد میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو جس انداز میں پیش کیا ہے، وہ سیرت النبی ﷺ کے لئے نئی چیز تھی، ایسے مباحث سیرت النبی ﷺ کی کسی دوسری کتاب میں قلم بند نہیں کئے گئے ہیں، اس جلد پر مقدمہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے قلم اعجاز رقم سے ہے۔

(۹) رحمت عالم ﷺ:

زیر نظر کتاب ''رحمت عالم'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت طیبہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک مختصر وجامع کتاب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن ۲۰/ رجب ۱۳۵۹ھ کو دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کی جانب سے شائع ہوا۔

اس کتاب کا اسلوب سہل اور چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے، جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لئے آسان ہے، اور طرز ادا کی سہولت اور واقعات کے سلجھاؤ کا خاص خیال رکھا گیا ہے، جو چھوٹی عمر کے بچوں اور اسکول و مدارس کے کورسوں میں مفید ہے۔

آغاز کتاب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ملک عرب اور اس کے احوال کو ذکر کیا ہے کہ کس جگہ یا کس طرف ملک عرب واقع ہے، اور نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے آپ ﷺ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ، ان کے دونوں بیٹوں یعنی اسماعیلؑ واسحاقؑ کا ذکر بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

علامہ ندویؒ نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں آپ ﷺ کے اخلاق وعادات کے بعض حصوں کا اضافہ کیا ہے، تاکہ کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہے، اور مزید یہ کہ اس کتاب میں صلح حدیبیہ، دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت، اور ساتھ ساتھ قیصر اور ابو سفیان کا مکالمہ بالترتیب بیان کیا گیا ہے، جو نہایت ہی بہترین اسلوب میں ہے۔

''رحمت عالم ﷺ'' بہت سے لوگوں کے لئے قندیل ثابت ہوئی، اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے، جن میں ہندی اور انگریزی قابل ذکر ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ رحمت عالم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے، وہ رحمت عالم ﷺ کا وجود مبارک ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس وجود پاک ﷺ کے سوانح کا ایک ایک حرف ہر مسلمان کے کان تک پہنچ جائے، تاکہ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے''۔

(۱۰) سیرت عائشہؓ:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی کتاب ''سیرت عائشہ ؓ'' میں اسی مجموعہ کمالات اور ستودہ صفات ہستی کو موضوع بنایا ہے، کتاب کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف کتاب رقم طراز ہیں:

> ''ایک مسلمان عورت کے لئے سیرت عائشہؓ میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، سسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرض اس کے ہر موقعہ پر اور ہر حالت کے لئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں، پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے پاک زندگی مالا مال ہے، اس لئے سیرت عائشہ اس کے لئے ایک آئینہ خانہ ہے، جس میں صاف طور پر یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے''(۱)

یہ کتاب ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بڑے ہی سادہ، عام فہم اور استدلالی انداز میں احادیث اور سیر وتاریخ کی معتبر روایات کی روشنی میں حضرت عائشہؓ کو زندہ جاوید کیا ہے، گویا یہ کتاب حضرت عائشہؓ کی بولتی ہوئی تصویر ہے، جس سے ہر انسان (مرد وعورت اور بچے وبوڑھے) اپنی زندگی کے لئے بہت کچھ معلوم کرسکتا ہے۔

مختصراً یہ کہ اس میں حضرت عائشہؓ کے ابتدائی حالات، ان کی تعلیم وتربیت، معاشرتی وازدواجی زندگی، سوتیلی اولاد کے ساتھ حسن سلوک، واقعہ افک، ان کے اصلاحی کارنامے، قرآن مجید میں مہارت، مسائل پر عبور، قوت اجتہاد، فرامین رسالت مآب ؐ پر عمیق نظر، فقہ وقیاس کا بے پناہ ملکہ، طب، تاریخ، خطابت اور شاعری اور خواتین عالم پر ان کے علمی وتحقیقی احسانات اور اس جیسے دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور خاص طور پر وہ مختلف فیہ مسائل وواقعات جن کو مستشرقین نے اپنے ناپاک مقاصد کے تحت بڑے ہی بدنما اور جھوٹے انداز سے پیش کیا

(۱) سیرت عائشہ ص/۱۷

ہے،ان کی حقیقت کو نہ صرف واضح کیا، بلکہ ان مسائل کے اختلاف کو بھی سلجھایا ہے،مثال کے طور پر بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر کیا تھی؟ مؤرخین ومحدثین کے یہاں تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے،لیکن غیروں (مستشرقین) نے اس پر کیا کیا موشگافیاں نہیں کیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کس طرح آسانی سے اس معمہ کو سلجھا دیا ہے، لکھتے ہیں:

''ایک تو خود عرب کی گرم آب وہوا میں عورتوں کی غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت موجود ہے،دوسرے عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قوی میں ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے ،اسی طرح قد وقامت میں بھی بالیدگی کی خاص قابلیت ہوتی ہے،اسی کو انگریزی میں ''پری کوشیس'' کہتے ہیں، بہرحال اس کم سنی میں آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا،اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکپن سے ان میں نشوونما، ذکاوت، جودت ذہن اور نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔''(۱)

معراج جسمانی ہے یا روحانی ؟ یہ بھی ایک بڑا معرکہ آرا مسئلہ ہے،حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ معراج روحانی تھی، اس کے برخلاف اکثر صحابہؓ جسمانی کے قائل ہیں، .دیکھئے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کس طرح اس کو حل کر دیا ہے، لکھتے ہیں کہ:

''اصل یہ ہے جیسا کہ زرقانی، ابن وھب وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت ثابت ہی نہیں ،ابن اسحاق جو اس کے راوی ہیں خود بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، پھر اپنے راوی کا وہ نام نہیں بتاتے ،خاندان ابوبکر کا ایک شخص کہتے ہیں، وہ راوی حضرت عائشہؓ کا نام نہیں لیتا ہے، حالانکہ اس کے اور عائشہؓ کے درمیان کم از کم ایک راوی اور چاہئے ،اس لئے یہ روایت حجت کے قابل نہیں''(۲)

اس طرح یہ کتاب قیمتی تحقیقی معلومات سے مزین ہے، آخر میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) سیرت عائشہ ص/۲۵ (۲) سیرت عائشہ ص/۱۹۵

(۱۱) حیات امام مالکؒ:

یہ کتاب ۱۰۶ رصفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اندر دور طالب علمی میں ہی یہ فکر موجزن ہوگئی تھی کہ وہ چار امام جن کے قوانین فقہی پر تمام دنیائے اسلام کا ربند ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے سوانح پر اردو میں کوئی نہ کوئی کتاب لکھی جا چکی ہے، لیکن امام مالکؒ جو فقیہ مدینۃ الرسول، امام دارالہجرۃ اور فن حدیث کے بانی اوّل ہیں، پر اردو میں ان کے متعلق ایک کتاب بھی موجود نہیں ہے۔

چنانچہ اسی احساس وفکر اور اپنے اس دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے غرض سے زمانہ طالب علمی میں ہی ''حیات امام مالکؒ'' کی تصنیف شروع کی اور بعد میں بفضل الٰہی یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

یہ کتاب صرف امام مالکؒ کے حالات زندگی، خاندانی ماحول اور ان کے علمی وفکری مرتبہ پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی تصانیف پر تبصرہ، تابعین مدینہ اور فقہائے حجاز کے حالات، علم حدیث کی ابتدائی تاریخ اور جمع حدیث کے لئے محدثین کرام کی کوششوں اور ان کی جانفشانیوں کا بھی اجمالی طور پر جامع ذکر ہے، جس سے قاری کو مختصر وقت میں قیمتی وکثیر مواد حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کم ہی وقت میں کافی اسلامی وعلمی معلومات وحقائق کے ذخیرہ سے اپنے دامن کو بھر لیتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بالترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے امام صاحبؒ کے ۹۰ رشیوخ کا تذکرہ کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے امام مالک کی شاہکار تصنیف ''مؤطا امام مالکؒ'' کو خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے، ان کو مؤطا سے غایت درجہ کی عقیدت تھی، اسی وجہ سے موطا کی وجہ تالیف، وجہ تسمیہ، اس کی روایتوں کی تعداد، اس کے

موضوع اور دیگر فقہائے مجتہدین کے مجموعہائے حدیث سے مؤطا کے امتیازات کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے، مثال کے طور پر موطا کو مسند ابی حنیفہؒ، مسند شافعیؒ اور مسند امام احمد بن حنبلؒ میں کیا فوقیت حاصل ہے؟ اس کے جواب میں علامہؒ رقمطراز ہیں ''امام مالکؒ کے سوا کسی امام مجتہد کی قلم سے علم حدیث کی بذات خود کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی، بلکہ ان کے علاوہ تمام ائمہ کے مسانید ان کے تلامذہ اور شاگردوں کے ذریعہ تصنیف کے پایۂ تکمیل کو پہونچی ہے'' یہی وجہ ہے کہ انہیں امتیازات وخصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے موطا امام مالکؒ کو کتب احادیث کے طبقۂ اولی میں شامل کیا ہے، بلکہ بخاری شریف پر بھی مقدم مانا ہے، پھر اخیر میں موطا کی کئی شرحوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۲) بہادر خواتین اسلام:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مسلم معاشرہ کی عورتوں کی اصلاح کے لئے ندوۃ العلماء کے مشہور رسالہ ''الندوہ'' کے شماروں ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء میں ''مسلمان عورتوں کی بہادری'' کے عنوان سے ایک مضمون کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو بہت مقبول ہوا، دارالمصنفین کے قیام کے بعد اس کو ایک علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ جس کے کئی ایڈیشن نکلے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہ مضامین ''الندوہ'' میں لکھے، جب کہ آپ کی عمر چوبیس پچیس برس کی تھی، اس کمسنی میں آپ کی جو علمی استعداد تھی، کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس رسالہ میں اسلام میں عورتوں کی ثابت قدمی، اسلام کے لئے ان کے ایثار اور جنگی خدمات وغیرہ کا ذکر کر کے مردوں پر ان کی اولیات کا شمار اس طرح کیا ہے:

(۱) پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے صدائے لبیک صنف نازک یعنی حضرت خدیجہؓ کی طرف سے ہوئی۔

(۲) معجزات کی تصدیق بھی سب سے پہلے ایک عورت یعنی حضرت خدیجہؓ نے کی۔

(۳) مسلمانوں میں درجہ شہادت سب سے پہلے ایک عورت یعنی مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ نے حاصل کی، جن کو ابوجہل نے شہید کیا۔

(۴) جب حضورﷺ کو کفار نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے ایک عورت ہی نے خبردار کیا۔

(۵) ہجرت کے بعد سب سے پہلے حضورﷺ کی مہمان نوازی ام سعیدؓ نامی ایک صحابیہ نے کی۔

(۶) جب حضورﷺ نے ایک خواب میں بحری جہاد کرتے ہوئے دیکھا تو ام حرامؓ نے سب سے پہلے اس میں شرکت کی خواہش ظاہر کی اور وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جزیرۂ قبرص کے جہاد میں شریک ہوئیں اور وہاں گھوڑے سے گر کر جام شہادت نوش کیا۔

(۷) سب سے پہلے شفا خانہ، عہد نبوت میں رفیدہ اسلمیہؓ نامی ایک عورت کی نگرانی میں قائم ہوا، جو خاص مسجد نبوی میں تھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے صحابیات کے واقعات کے ساتھ بنوامیہ، بنوعباس اور ہندوستان کے خاص طور پر مغلیہ دور کے واقعات کا ذکر بھی کیا ہے، اور مسلمان عورتوں کو اس بات کا احساس دلایا کہ مسلمان عورتیں ہمیشہ دین کی خاطر اپنے آپ کو قربان کرتی ہیں، کبھی بذات خود میدان میں آکر، کبھی ماں کی شکل میں تربیت کے ذریعہ، کبھی بیوی کی شکل میں حوصلہ افزائی کے ذریعہ، کبھی بہن کی شکل میں تعاون کے ذریعہ، کبھی بیٹی کی شکل میں فرمانبرداری کے ذریعہ، غرض ہر طریقہ سے وقت کے مصلحین، مجتہدین، دعاۃ، غرض ہر فن کے علماء کا تعاون کرتی رہی ہیں، اگرچہ وقت کا نبی ہی کیوں نہ ہو، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آئندہ نسل سے اسی توقع کا اظہار کیا ہے۔

(۱۳)حیات شبلی:

سوانح نگاری کا موضوع ہر دور اور ہر زمانہ میں لائق توجہ رہا ہے، کیونکہ یہ افراد و اشخاص اور ان کے حالات کو جاننے کا بہترین ذریعہ ہے ،اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مشہور تصنیف ''حیات شبلی'' ہے، جو عہد جدید کے معلّم اول کی زندگی کا آئینہ،اوران کی دینی،علمی ،سیاسی کارناموں کا ایک حسین مجموعہ ہے ،بقول مصنف ''یہ نو سو صفحات پر مشتمل کتاب صرف اس عہد کے ایک شخص کی سوانح عمری ہی نہیں، بلکہ درحقیقت مسلمانان ہند کے پچاس برس کی علمی ،ادبی، سیاسی، مذہبی اور قومی واقعات کی تاریخ بن گئی ہے،اسی سلسلہ میں بہت سے ایسے اشخاص وافراد کے مختصر حالات اور سوانح عمری بھی درج ہوئے ہیں،جن کو اس عہد کے سمجھنے کے لئے جاننا ضروری ہے، اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنّفؒ نے علامہ مرحوم کی زندگی کے اکثر حالات وواقعات کو خود انہیں کے خطوط ورسائل اور مکتوبات سے اخذ کیا ہے، زیر تذکرہ کتاب کو اختصار کے ساتھ پانچ ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ،شروع میں ایک مفصل مقدمہ ہے،جس میں دیار مشرق میں علوم اسلامیہ کی تعلیم واشاعت کی تاریخ ہے''۔

سب سے پہلے ابتدائی زندگی سے لے کر علی گڑھ کے قیام تک کے حالات مذکور ہیں مثال کے طور پر،علامہ مرحوم کی ولادت قصبۂ بندول ضلع اعظم گڑھ میں ۱۸۵۷ء میں ایک راجپوت گھرانے میں ہوئی ،جس کے مورث اعلی آج سے چار سو برس پیشتر مسلمان ہوئے،تعلیم وتربیت کے لئے وقت کے اکابر علماء کا انتخاب کیا،جن میں مولانا علی عباس چریا کوٹی ،مولانا محمد فاروق چریا کوٹی ،مولانا فیض الحسن لاہوری ،اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ قابل ذکر ہیں،تعلیم کے بعد خاندانی روایت کے مطابق وکالت کی ڈگری حاصل کی،۱۸۸۳ء میں علی گڑھ میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر تقرر ہوا ،جہاں ان کو مسلمانوں کے معائب ومحاسن کو قریب سے دیکھنے اور یورپ کی علمی تحقیقات اور وہاں کے ا

ہل علم ودانش خیالات سے واقفیت کا بھرپور موقع ملا۔

اس کے بعد علامہ شبلیؒ کی ان تصنیفات کا تذکرہ ہے، جن کے ذریعہ انہوں نے دنیا کو حضور اکرم ﷺ کے مدارج ومعارف سے آشنا کرایا، فاروق اعظمؓ کی سطوت وعظمت کا سکّہ دلوں میں بٹھایا، امام اعظمؒ کے فقہ وقانون کے مصالح وحکم کو نیا جلوہ دیا، غزالیؒ و رازیؒ اور مولانا رومؒ کے اسرار حقیقت کو برملا فاش کیا، جن کتب کی تصنیف کے لئے انہوں نے قسطنطنیہ، مصر وشام، اور ترکی (جہاں ان کو حکومت کی طرف سے تمغۂ مجیدی سے نوازا گیا) کا سفر کیا، اور چھ مہینے کے قیام کے دوران وہاں کے دینی مدارس، ان کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا، اور وہاں کی متعدد لائبریریوں سے استفادہ کیا، ساتھ ہی ہندوستان کو ایسی نایاب ونادر کتب سے آشنا کرایا، جن سے وہ بالکل ناواقف تھا، علامہ مرحوم کی تصانیف میں سے چند یہ ہیں: الفاروق، سیرت النعمان، الکلام فی علم الکلام، الغزالیؒ، سیرت النبی ﷺ (ابتدائی دوجلدیں)۔

تحریک ندوۃ العلماء میں علامہ شبلی نعمانی کی شرکت، اور ہر قدم پر اس کی حمایت ونصرت ان کی زندگی کا اہم عنوان تھی، اس کی تفصیل کتاب کی روشنی میں یہ ہے: (۱) علامہ مرحوم نے ندوۃ العلماء کے اکثر اجلاس میں شرکت کی اور اپنی عالمانہ ومبصّرانہ تقاریر کے ذریعہ ندوۃ العلماء کی ضرورت وافادیت اور اس کے مقاصد کو دنیا کے سامنے پیش کیا (۲) نصاب تعلیم اور انتظامی امور سے متعلق ایک ایسا دستور العمل پیش کیا، جس کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، گویا بقول مصنف ''ہندوستان کا کوئی مسافر قسطنطنیہ کے کسی بڑے شہر میں کھڑا ہے'' (۳) ۱۹۰۴ء میں ندوۃ العلماء سے ''الندوہ'' رسالہ کا اجراء ہوا، جس میں انہوں نے ندوۃ العلماء کی غرض وغایت سے متعلق متعدد مضامین لکھے، جن میں تعلیمی نصاب کی اصلاح پر زور دیا گیا خاص طور سے:

(۱) کتابوں کے لفظوں کی نہیں، فن کی تعلیم ہونی چاہئے۔ (۲) ادب کی کتابیں جو

(۱) حیات شبلی: مقدمہ کتاب

اس زمانہ میں پس پشت ڈال دی گئی تھی، پڑھائی جائیں (۳) نصاب میں قرآن پاک اور علوم قرآن کی کتابیں داخل کی جائیں (۴) علماء دین جدید علوم سے واقف ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۳ء اپنی معتمدی کے زمانے میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھا باب علامہ شبلیؒ کی ان دینی، علمی، سیاسی، اور قومی خدمات سے متعلق ہے، جو انہوں نے وقتاً فوقتاً انجام دیں، مثلاً وقف علی الاولاد کا مسئلہ، ۱۹۰۸ء کا فتنۂ ارتداد اور اس سلسلہ میں مولانا کی جدوجہد کا تذکرہ ہے۔

پانچویں باب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے محبوب استاد علامہ شبلی نعمانیؒ کے اخلاق وعادات، تواضع وانکسار، غیرت وخودداری، شرافت ونجابت، دینی غیرت وحمیّت، صدق وامانت، راست بازی، استغناء وبے نیازی اور حق گوئی وبے باکی کی دلیل ہے۔ اسی کے ساتھ مختلف صفات پر علامہ مرحوم کے شعری ذوق، اور ادبیات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب علامہ شبلیؒ کی زندگی کا ایک ایسا آئینہ اور تصویر مجسّم ہے، جس میں عوام وخواص چاہے ان کا تعلّق کسی بھی میدان سے ہو، ہر ایک کے لئے بہت مفید معلومات ہیں جو ان کے مستقبل کے سنوارنے میں بہت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں۔

(۱۴) یادرفتگاں:

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ان غم ناک تحریروں کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے اپنے اساتذہ، پیر طریقت، احباب، معاصرین اور دوسرے مشاہیر کی رحلت پر لکھی تھیں۔

علامہؒ نے اپنے استاد مرحوم کے حالات زندگی اور دور انقلاب کو بڑے اچھوتے اور نرالے انداز میں بیان کیا ہے، اسی ضمن میں ہندوستان کے دور اصلاح کے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے: ''ہندوستان کا دور اصلاح جن افراد پر مشتمل تھا ان میں دو قسم کے لوگ تھے: ایک وہ جنہوں نے زمانے کی ضرورتوں سے قطعاً چشم پوشی کر لی اور قدیم کی

حفاظت ہی کو ملت کے لئے ذریعہ نجات سمجھا، حضرت مولانا قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب اور دوسرے علماء مقدسین پر اللہ تعالی کی رحمتیں ہوں کہ انہوں نے اس کام کو بخوبی انجام دیا اور ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے دلوں کو اپنے فیض سے روشن کیا۔

دوسرا گروہ وہ پیدا ہوا، جس نے قدیم کو چھوڑ کر صرف جدید کے حصول کے لئے اپنا سارا زور صرف کیا، مولانا شبلی نعمانیؒ اس بزم میں سب سے پیچھے آئے، لیکن سب سے پیچھے نہیں بیٹھے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ان دو گروہوں کے مجمع البحرین تھے، یعنی قدیم علوم سے بہرور تھے اور جدید علوم سے اپنے ہمعصروں کی طرح آشنا، پھر قدیم علوم میں بھی اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صلاحیتوں کے ساتھ مختلف قابلیتیں ان کی ذات میں ودیعت کر رکھی تھیں، اس لئے تماشا گاہ عالم میں کمال کا جوہر انہوں نے دکھایا، یقین ہے کہ دنیا قیامت تک ان کی مثال پیش نہ کر سکے گی''۔

علامہؒ سید سلیمان ندوی اپنی رفیقۂ حیات پر رقمطراز ہیں کہ:

''آخر خدا کی مرضی پوری ہوگئی، دو ماہ شدید علالت کے بعد میری رفیقۂ حیات نے ۲۷ر سال کی عمر میں اس عالم فانی کو الوداع کہا، استاد محترم کے بعد یہ دوسرا سانحہ ہے، جس نے میرے سکون خاطر کو درہم برہم کر دیا، وہ کہتے ہیں ''مرحومہؒ نے تیرہ سال تک میری زندگی کی رفاقت کی، علامہ مرحومہ کی زندگی میں غالب مغفور کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

میں بھی تمہیں بتاؤں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشاکش غم پنہاں سے گر ملے

اس پیکر وفا نے اپنی جان دے کر بھی علم وملت کی خدمت گزاری کے کشاکش غم پنہاں سے فرصت عطا کی، لیکن ایک ایسا کانٹا چبھ کر دل میں رہ گیا جو شاید عمر بھر نہ نکلے''(۱)

اس کتاب میں علامہ نے مولوی اسماعیل میرٹھی، مولانا محمد یونس فرنگی محلی، مولانا

(۱) یاد رفتگاں: ذکر رفیقہ حیات

ابوالفضل عباسی، مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ اقبال، ان کے علاوہ اور بہت سے اساتذہ ومعاصرین کے حادثہ وفات پر دردانگیز نالے بڑے ہی اچھوتے انداز میں تصنیف کیے، جو ان مرحومین کی حالات زندگی کا مرقع ہیں۔

(۱۵) عرب وہند کے تعلقات:

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصنیف کردہ ہے، انہوں نے ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد کی فرمائش پر مارچ ۱۹۲۹ء میں عرب وہند تعلقات پر کئی خطبے دئے، ان میں دونوں کے قدیم تعلقات کو تفصیل سے پیش کیا، ان کو ہندوستانی اکیڈمی نے بعد میں عرب وہند کے تعلقات کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا، یہ کتاب ۱۶۱ر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں پانچ باب اور ایک ضمیمہ ہے۔

پہلا باب عرب سیاح کے متعلق ہے، یہ تقریباً ۳۳ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس میں ابتداءً علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لفظ ''ہند'' کی تحقیق کی ہے، اس کے علاوہ عرب وہند کے برّی اور بحری راستے کو واضح کیا ہے، اسی کے ساتھ عرب کے مشہور سیاحوں کے واقعات بھی بیان کئے ہیں، ان میں سے کچھ نام یہ ہیں: (۱) ابن خرداذبہ ۲۵۰ھ (۲) سلیمان تاجر ۲۳۷ھ (۳) ابوزید حسین سیرافی ۲۸۴ھ (۴) ابودلف مسعر بن مہلہل نیبوعی ۳۳۱ھ (۵) ابن بطوطہ ۷۲۹ھ بمطابق ۱۳۲۷ء، آخر الذکر سیاح مراکش کا باشندہ تھا اور محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، اور اس نے ہند کے چپہ چپہ کو دیکھا، انہوں نے اپنے سفر نامہ ''عجائب الأسفار'' میں جس خوبی سے اپنے مشاہدات کا ذکر کیا ہے، وہ کہانی سب کو معلوم ہے، ہمارے لئے اس کے بیان کا سب سے اہم حصہ جنوبی ہند کے اس وقت کے حالات ہیں، جب مسلمانوں نے اس کو فتح نہیں کیا تھا۔

دوسرا باب تجارتی تعلقات کے بارے میں ہے، یہ ۳۷ر صفحات پر مشتمل ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عرب کے شمال اور جنوب مشرق اور مغرب میں کون سا ملک آباد

ہے ،ان تمام ملکوں سے عربوں کے براہ راست پرانے تعلقات کیسے تھے، اس کے علاوہ مؤلف کتابؒ نے ہندوستان کی بندرگاہوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں یہ نام قابل ذکر ہیں: (۱) بلوچستان کی بندرگاہ ''تیز'' (۲) سندھ کی بندر گاہ ''دیبل'' (۳) گجرات میں تھانہ ''کچن بھایت''، ''سوبارہ''، ''چیتمبو'' وغیرہ۔

تیسرے باب میں عرب و ہند کے علمی تعلقات کو واضح کیا ہے، یہ تقریباً ۵۴ر صفحات پر محیط ہے، اس میں عرب کے بڑے بڑے انشا پردازوں کے علمی کارناموں کو بیان کیا ہے، اس کے علاوہ عربی زبان میں سنسکرت کی جن طبی کتابوں کے ترجمے ہیں ان کو واضح کیا ہے۔

چوتھے باب میں عرب، ترک وافغان اور مغل فاتحوں میں فرق واضح کیا ہے، یہ تقریباً ۱۴ر صفحات پر مشتمل ہے، مزید یہ کہ اس میں صاحب کتابؒ نے ہندوستان کی تحقیق پیش کی ہے، اور پھر ہندوستان میں اسلام کی آمد کو موضوع بنایا ہے، اس کے علاوہ بدھ مت کی ذات اور صفات اور ہزاروں برس سے ان کی شکل وصورت جو دنیا کے سامنے ہے، ان کو واضح کیا ہے۔

پانچویں باب میں صاحب کتابؒ نے چچ نامہ کو ذکر کیا ہے، یہ باب ۹۳ر صفحات پر مشتمل ہے، چچ نامہ یہ ''تاریخ السند والہند'' کے نام سے عربی زبان میں سندھ کی سب سے پرانی تاریخ تھی، محمد علی بن حامد بن ابوبکر کوفیؒ نے ناصر الدین قباچہ کے عہد میں ۶۱۳ھ مطابق ۱۲۱۶ء میں اوچ (سندھ) میں بیٹھ کر فارسی میں ترجمہ کیا، اس کی اصل عربی میں نہیں ملتی، مگر صرف محمد بن قاسم کی موت اور راجہ داہر کی لڑکی کے قید کا واقعہ اس میں افسانہ ہے، باقی اکثر باتیں اس میں ایسی ہیں، جن کی پرانی عربی تاریخوں سے تائید ہوتی ہے۔

آخر میں صاحب کتابؒ نے ۳ر صفحہ پر مشتمل ضمیمہ تحریر کیا ہے، اس میں انہوں نے ہندوستان کے پرانے شہروں کے نام ذکر کئے ہیں، مثلاً گجرات کے ایک مشہور پرانے شہر کا نام عربوں نے ''سوبارہ'' لکھا ہے، اس کے علاوہ جاٹ کے بارے میں ذکر کیا ہے، امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب ''الأدب المفرد'' میں صحابہؓ کے زمانہ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیمار پڑیں تو ان کے بھتیجوں نے ایک جاٹ طبیب کو ان کے علاج کے

لئے بلایا، ساتھ ہی ساتھ سندھ کے شاہانہ جوتے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ زبان سلیس، عام فہم اور استدلال علمی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ آسان بھی ہے، مجادلانہ اسلوب کے بجائے حکیمانہ اور نفسیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس کے پڑھنے کے بعد قاری کو تاریخ سے ایک گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

(۱۶) عربوں کی جہاز رانی

پیش نظر کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصنیف کردہ کتابوں میں ایک نمایاں شان رکھتی ہے، یہ علامہ کے ان چار خطبوں کا مجموعہ ہے، جو حکومت بمبئی کے محکمہ تعلیم کی سرپرستی میں ۱۸/تا۲۱/مارچ ۱۹۳۱ء کو انجمن اسلام ہائی اسکول ممبئی میں دئے گئے تھے۔

کتاب کا آغاز ملک عرب کے تعارف کے ساتھ ان الفاظ میں ہوتا ہے: ''عرب ایک ایسا ملک ہے جو تین طرف دریاؤں سے گھرا ہے: ایک طرف خلیج فارس، دوسری طرف بحر ہند، تیسری طرف بحر حبش یا بحر احمر یا قلزم'' اس لئے عرب اپنے ملک کو جزیرہ کہتے ہیں، پہلی دوسری صدی ہجری کے ادبیات میں عموماً ''جزیرۃ العرب'' کا خطاب دیا گیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ عہد جاہلیت میں ان کی سمندری ترقی اور استعمال کردہ الفاظ پر روشنی ڈالتے ہیں، اختصار کے طور پر صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

> ''عہد جاہلیت میں عربوں کی جہاز رانی اور بحری سفر کے شواہد تین ماخذوں سے فراہم کئے جاسکتے ہیں: (۱) عربوں کی لغت (۲) ان کے صحیفۂ آسمانی (۳) قدیم عربی شاعری۔ ان تینوں قدیم ماخذوں سے یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ عرب ہمیشہ سے جہاز راں اور دریا پیما قوم تھی'' (۱)

اس کتاب میں ملک عرب اور جاہلیت کے بعد ''لغات عرب'' کے نام سے پہلا باب ہے، جس میں کشتی، جہاز، بندرگاہوں، اور سواحل، جہاز رانی، اور جہاز راں، جنگی جہاز،

(۱) عربوں کی جہاز رانی: ص:۳

اور سمندر رود دریا، اور بحر روم و بحر ہند کے اصطلاحات میں فرق کو بحسن وخوبی بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد قرآن مجید میں ان الفاظ کا ذکر کتنی مرتبہ اور کہاں آیا ہے اس کی مثالیں دی گئی ہیں، جیسا کہ لفظ ''فلک'' کا ذکر قرآن میں (۲۳) مرتبہ، اور (جوار) کا دو مرتبہ ''سفینۃ'' کا ایک مرتبہ ''ذات الواح'' ''ودسر'' کی تلمیح ایک دفعہ ''ایک آیت میں لفظ ''جاریۃ'' آیا ہے۔

دوسرا باب ''عہد نبوت میں عربوں کا بحری سفر'' کے نام سے ہے، اس باب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسلام کی ابتدائی دور کے ساتھ ساتھ کئی خلافتوں جیسے عہد عثمانی، عہد بنو امیہ، عہد بنو عباس کا ذکر کیا ہے، پھر ہندوستان پر بحری حملے کا تذکرہ اور سمندروں کی پیمائش وجنگی بیڑوں کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے۔

تیسرا باب ''سامان وآلات جہاز رانی'' سے متعلق ہے، اس باب میں بحری نقشہ، صور کواکب، قطب نما اور دیگر آلات، اسی طرح جہاز رانوں کے نام، ان کے کارنامے، ہند وعرب کی آمد ورفت کے راستے، بندرگاہیں اور عربوں کی ترقی کا خاتمہ جیسے اہم مضامین نہایت خوبی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

چوتھا باب عربوں کی بحری تصنیفات سے متعلق ہے، اس باب میں عربوں کی تصنیف کردہ کتب کا ذکر ہے، اس فن کا سب سے پہلا مدون درحقیقت اسد البحر شہاب الدین احمد بن ماجد نجدی ہیں، جہاز رانی اس کا موروثی پیشہ تھا، اس نے اپنی کتاب الفوائد فی اصول البحر والقواعد ۸۹۵ھ میں پچاس برس کے تجربے بعد لکھی ہے، اس فن میں اس کے نظم ونثر، رسائل اور تصنیفات کی تعداد ۲۵ ر ہے، علاوہ ازیں حضرت علیؓ کی طرف ایک مثنوی ''ارجوزۃ'' منسوب ہے، جس میں مناظر فلکی اور ستاروں کے اشکال نظم کئے گئے ہیں۔ آخر میں ایک باب تتمہ ہے، اس میں بعض بندرگاہیں اور سواحل وغیرہ کا ذکر ہے۔

یہ کتاب قیمتی معلومات کا مرقع ہے اور درمیان میں قرآنی آیتوں اور عربی اشعار کو انگوٹھی میں نگینہ کی طرح جڑ دیا گیا ہے، یہ کتاب تقریباً ۱۶۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن ممبئی کی طرف سے شائع ہوا، بعد میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے ۱۹/ مارچ ۱۹۳۵ء کو شائع ہوا۔

(۱۷) سفرنامہ افغانستان:

مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ لکھتے ہیں :

''حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا آوازۂ شہرت ہندوستان ہی نہیں، پوری اسلامی دنیا اور یورپ کے ممالک میں بھی بلند ہے، اور ان کی شخصیت عالمگیر و ہمہ گیر ہے، انہیں یورپ اور اسلامی ممالک کی سیاحت کا موقع بھی ملا تھا، ۱۹۳۳ء کے آخر میں وہ نادر خاں شاہ افغانستان کی دعوت پر ڈاکٹر محمد اقبال اور سر راس مسعود (سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) کے ساتھ افغانستان تشریف لے گئے تھے، نادر شاہ کو علم و تعلیم سے خاص دلچسپی تھی، اور ان کے عہد میں بڑی علمی و تعلیمی ترقی ہوئی، انہوں نے بعض علمی و تعلیمی امور و مسائل میں رائے و مشورہ ہی کے لئے افغانستان مدعو کیا تھا'' (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسی سفر کے مشاہدات و تأثرات اور نقوش کو ماہنامہ معارف کے کئی شماروں میں تحریری شکل دینے کی کوشش کی، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا یہ مبارک سفر کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہ کتاب یقیناً علمی و ادبی اور تاریخی حیثیت سے دلچسپ اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

واضح رہے کہ اس وقت افغانستان میں تحریک آزادی کا ایسا شور اور ہنگامہ بپا تھا، جس کو کسی بھی طریقہ سے روکنا ممکن نہ تھا، ایسے نازک ترین ماحول میں سفر کرنے کے بعد روداد کو جمع کرنا آسان نہ تھا، تقریباً اسی موقع پر سفر سے واپسی کے بعد پہلی قسط شائع ہو کر منظر عام پر آئی تھی، ایک جگہ سفر کے تعلق سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

''ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کے سلسلہ میں مدت سے آرزو تھی،

---

(۱) سفرنامہ افغانستان ص: ۷

کم از کم قریب ترین ہمسایہ اسلامی ممالک افغانستان ہی کی زیارت کر لوں، ۱۹۲۷ء میں جمعیۃ العلماء پشاور کی شرکت کے زمانے میں دو دفعہ درۂ خیبر کی سیاحت کی، اس اچٹتے ہوئے جلوہ دیدار نے آتش شوق کو تیز تر کر دیا''۔(۱)

اس کتاب میں جو چیز نمایاں ہے اور یہی وصف سفر نامہ کی روح ہوتی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے دوران سفر مختلف لوگوں سے ملاقات اور اظہار خیال کے ساتھ ساتھ بالخصوص اہل علم و فضل کا متنوع جگہوں پر ذکر کیا ہے، پھر ان مقامات کے سیاسی، تعلیمی و معاشرتی حالات پر تبصرہ بھی اچھوتے انداز میں کیا ہے، کہیں ضیافت اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں تو کہیں جا بجا ہندوستانی مسلمانوں کا ذکر خیر کرتے ہوئے وہاں کے دینی اداروں اور اسلامی مراکز کا بہت دلچسپی کے ساتھ تعارف کرانے کی کوشش کی ہے، نیز ملت اسلامیہ کے سلگتے مسائل پر جگہ جگہ اپنا تجزیہ بھی پیش کیا ہے، اسی کے ساتھ ادبی انجمنوں اور علمی مجلسوں کا ذکر بہت کثرت سے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر ایک جگہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آغاز عہد اسلام سے تنہا آپ ہی تھے، جن کے ذریعہ سے نہ صرف مذہب بلکہ علوم و فنون ہندوستان کے قلب میں داخل ہوئے ہیں، سلاطین غزنی اور شاہان غوری یہاں رہتے تھے، لیکن ان کی حکومت کا دائرہ ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، اسی طرح بابر کا خاندان ہندوستان میں مقیم تھا، لیکن اس کا دائرۂ حکومت ایک شہنشاہی کے لئے ایسی تھی، جیسے ایک جسم میں دو ہاتھ ہوتے ہیں، آج ڈیڑھ سو سال کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اگر اتحاد سیاسی کے لئے نہیں تو اتحاد علمی و ادبی اور باہمی محبت کے استحکام کے لئے پھر مخلصانہ بڑھ رہے ہیں، لہٰذا اے میرے افغانی بھائیو! آپ کے بزرگوں نے ہندوستان میں صرف جسمانی اور مادّی حکمرانی نہیں کی ہے، بلکہ معنوی اور ذہنی حکومت بھی قائم کی ہے۔''(۲)

---

(۱) سفر نامہ افغانستان ص:۳ (۲) سفر نامۂ افغانستان ص:۵۳

(۱۸) مقالات سلیمان (جلد اوّل):

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے متعدد بلند پایہ تصانیف کے علاوہ بہت سے علمی و مذہبی ،فقہی و تاریخی ،ادبی و تنقیدی مقالات بھی لکھے ہیں، جو الندوہ اور معارف کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، زیر نظر کتاب جو ۳۹۸ رصفحات پر مشتمل ہے، مولانا کے ان اہم تاریخی مقالات کا مجموعہ ہے، جو مختلف مواقع پر لکھے اور پڑھے گئے ہیں، اس مجموعہ کے بعض اہم تاریخی مضامین یہ ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں ہندوؤں کی تعلیمی اور علمی ترقی، خلافت اور ہندوستان، ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی؟، ہندو کش عالمگیر کے عہد کی دو عجیب کتابیں، لاہور کا ایک فلکی آلات ساز خاندان، تاج محل اور لال قلعہ کے معمار ،قنوج، خطبہ صدارت شعبۂ تاریخ ازمنۂ وسطیٰ آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ مدراس ۱۹۴۴ء، ہندی الاصل اور ہندی النسل مسلمان سلاطین۔

مولانا کی تاریخی بصیرت، وسعت علمی کا اندازہ مقالہ ''خطبہ صدارت شعبۂ تاریخ ازمنۂ وسطیٰ آل انڈیا ہسٹری کانگریس'' کے اس اقتباس سے کیا جا سکتا ہے، جس میں انہوں نے ہندوستانی دلوں کو اتحاد کا پیغام ان لفظوں میں سنایا ہے:

> ''ہماری یونیورسیٹیوں کی تاریخ ہند کی کتابوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی ہی باتیں جمع کی جاتی ہیں، جن سے ان دونوں قوموں کے جذبات میں مزید اشتعال پیدا ہو، اور اس کا اتفاق آئندہ مشکل سے بڑھ کر محال ہو جائے، حالانکہ اسی ملک کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں، جن کے پڑھنے سے ان دونوں قوموں کے درمیان اختلاط و محبت کے جذبات پیدا ہوں، مگر بازاری قدر دانی کے تابع مصنّف و کتب فروش اپنی ذاتی، عارضی کامیابی کے مقابلہ میں ملکی اور قومی بھلائی کی پروا نہیں کرتے'' (۱)

---

(۱) معارف اگست ۱۹۳۲ء

اوّل الذکر مقالہ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے حصہ میں عرب و ہند کے باہم تعلّقات کو واضح کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے حصہ میں ہر فن کی الگ الگ فصل قائم کر کے مسلم سلاطین کے دور میں ہندو ماہرین و مصنّفین کا سینکڑوں دلائل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، مسلم سلاطین نے اپنے عہد حکومت میں غیر مسلموں کا کتنا خیال رکھا ہے، بقول انگریز مؤرخ: ''اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صرف ڈھائی سو برس کی مدت کے اندر ہندوؤں اور مسلمانوں میں فارسی زبان دانی میں کوئی فرق نہیں''۔ اور بقول مرتب کتاب صباح الدین عبدالرحمٰن: ''مذکورہ مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر ۱۹۶۵ء میں مولانا غلام محی الدین اڈیٹر ''آج'' ڈھاکہ نے بنگالی زبان میں ترجمہ کیا، سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مذکورہ مقالہ کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر عبداللہ اورینٹل کالج لاہور نے تو ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' کے نام سے لکھ کر ڈی لٹ کی ڈگری پائی ہے۔

ایک مقالہ کا عنوان ہے: ''خلافت اور ہندوستان'' اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستانی مسلم سلاطین کا تعلّق براہ راست خلیفۃ المسلمین سے تھا، اور ہندوستانی مساجد میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

ایک مقالہ کا عنوان ہے: ''لاہور کا ایک فلکی آلات ساز خاندان'' اس میں عہد مغلیہ میں جو اصطرلاب بنائے گئے، ان سے متعلق پر کشش اور دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

ایک مقالہ کا عنوان ہے: ''تاج محل اور لال قلعہ کے معمار'' اس میں پہلی مرتبہ پوری تحقیق اور دلائل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ مذکورہ عمارت کا معمار استاد احمد لاہوری (متوفی ۱۰۵۹ھ) تھا۔

ایک مقالہ کا عنوان ہے: ''قنوج'' اس میں دکھایا گیا ہے کہ عرب جغرافیہ نویس جس قنوج کا تذکرہ کرتے ہیں وہ وہی قنوج ہے جو موجودہ فرخ آباد کے ضلع میں واقع ہے اور جو کسی زمانہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی راجدھانی تھی۔

مقالہ آخر الذکر میں دہلی، ملتان، کشمیر، گجرات، اور دکن کے ایسے سلاطین کا ذکر

ہے جو یا تو ایک طرف سے ہندی ہیں اور دوسرے طرف سے غیر ملکی ، یا پھر دونوں طرف سے ہندی ہیں ،ان بادشاہوں کے بارے میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے دوسرے بادشاہوں کے مقابلہ میں ہندوستان کی کسی طرح کم خدمت نہیں کی۔

اسی کتاب میں کچھ ایسے مضامین بھی ہیں، جو بہت مختصر، مگر جامع ہیں، جن سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بالغ نظری اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ زیر نظر کتاب آریہ سماج سے لے کر عہد مغلیہ تک کی تاریخ کا انسائیکلوپیڈیا، اور متشدّد فرقہ پرست ہندو اور ہندو تنظیموں کے ذریعہ مسلم سلاطین پر لگائے گئے الزامات کا تشفی بخش جواب ہے ۔

(۱۹) مقالات سلیمان (جلد دوم):

یہ علامہ سید سلیمان ندوی کے علمی مقالات کا مجموعہ ہے، جو مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا مرتب کردہ ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستانی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر جو مقالات لکھے تھے، انہیں کو جمع کر کے کتابی شکل دی ہے اور اس کا نام ''مقالات سلیمان'' رکھا ہے۔اس کتاب کے بعض عناوین حسب ذیل ہیں: ہندوستان میں علم حدیث، استدراک واضافہ فرنگی محل، اور ہندوستان میں علم حدیث کے چند گم شدہ اوراق اور ہندوستان میں کتب احادیث کی نایابی کے بعض واقعات وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ بعض مضامین کا تعلق سیرت وسوانح سے ہے، جیسے ''محمد عمر الواقدی'' اور سیرت میں علماء مستشرقین کی ایک نئی غلطی ''مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟'' اور حکیم سنائی کے سنین عمر'' اور بعض مضامین ایسے بھی ہیں جو مقالے کی شکل میں سفرنامے ہیں، مثلاً حجاز کے کتب خانے'' سفر گجرات کی چند یادگاریں'' انڈیا آفس لائبریری میں اردو کا خزانہ'' اور کتب خانہ حمیدیہ بھوپال'' یہ اس کتاب کے مضامین کا ایک اجمالی خاکہ ہے، جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مختلف علمی، ادبی وتحقیقی کارناموں کا نتیجہ ہے۔

ان مضامین میں اگر چہ بڑا تنوع ہے،لیکن ان کا مرکزی نقطہ اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تاریخ وتہذیب کی مرقع کشی اور اس کی تحقیق وتنقید ہے اور ان میں سے ہر ایک سے اسلامی فلسفہ جھلکتا ہے۔

علامہ کے ایک مقالہ کا عنوان ہے : سنت ، اس میں ایک ذیلی عنوان ہے :'' احادیث سے چارہ نہ تھا'' اس کے تحت لکھتے ہیں کہ'' جب تک یہ مسلّم ہے کہ افراد انسانی کی عقلیں متفاوت ہیں،اور ان کے فہم وذہانت کے معیار مختلف ہیں،تو اب سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ پر قرآن میں ایک حکم نازل ہونے کے بعد وحی یا اس سے بظاہر کسی قدر مختلف کوئی بات پیش آئے یا کسی صحابی کو یہ شک پیدا ہو کہ یہ واقعہ اس کلی حکم کے تحت میں ہے ،یا نہیں؟ تو وہ اپنی مشکل کے حل کے لئے کیا صورت اختیار کرتے ؟ ظاہر ہے کہ یہی ممکن اور موزوں صورت ہوسکتی تھی کہ وہ صاحب وحی علیہ السلام سے آکر دریافت کرتے ، پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ آکر پوچھتے یا قرآن پاک کی اس آیت کے بقیہ الفاظ کو جن کو سمجھنے یا جس کو اپنی صورت واقعہ پر منطبق کرنے میں ان کو شبہ پیدا ہو رہا ہے، دہرا دیتے'' یا یہ کرتے کہ جو گتھی ان کے سامنے تھی،اس کو سلجھا دیتے ،اور بات صاف کر دیتے ،ظاہر ہے کہ یہی آخری صورت قابل اختیار تھی ،اب ایسی حالت میں کیا ان صحابی کے لئے یہ ناجائز قرار دیا جاتا کہ اپنی صورت واقعہ کو دربار رسالت میں اپنے سوال اور آپ کے جواب کو کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ کرتے ، یا کسی دوسرے کو اگر یہی صورت حال پیش آتی تو اس کو وہی حل یہ بتاتے ،کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کو ناجائز اور ناروا نہیں کہہ سکتا ، یہی صورت حال ہے جس کا نام اصطلاح میں'' حدیث'' ہے۔''(۱)

(۲۰) مقالات سلیمان (جلد سوم):

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مذہبی مضامین کا مجموعہ ہے،اس مجموعہ کو بھی

(۱) مقالات سلیمان ج ۲/ص ۱۳۵/

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے مرتب کیا ہے، جو تین جرائد ورسائل سے ماخوذ ہیں: (۱) معارف اعظم گڑھ (۲) الندوہ لکھنؤ (۳) الہلال کلکتہ اور مضامین کی تعداد ۲۶ ہے، جو تقریباً ۲۸۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

پہلا مضمون ''علوم القرآن'' کے نام سے موسوم ہے، اس مضمون میں علماء اسلام نے قرآن مجید کی جو خدمات انجام دی ہیں، اس مضمون میں ۱۶ علوم پر مختصر، لیکن جامع و بلیغ انداز میں روشنی ڈالی گئی، جو کہ ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے، اسی کے ساتھ معترضین کے سوالات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون ''ارض حرم اور اس کے احکام ومصالح قرآن کی نظر میں'' اس میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں حرم پاک کی فضیلت کو بیان کیا گیا، مسلمان ہی کو یہاں آنے کی اور بسنے کی اور نافرمان کے داخلے پر پابندی کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

تیسرا مضمون: ''پیغام امن یعنی محبت الٰہی اور مذہب اسلام'' یہ ۲۰ صفحات پر مبسوط مضمون مستشرقین کے اعتراضات ''اسلام میں جو خدا کا تخیل اپنے ماننے والوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ ان کا خدا جبار وقہار، پر غضب ہے'' کے جواب میں لکھا گیا ہے اور اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے نقطہ نظر کو تقابلی انداز میں پیش کیا ہے۔

چوتھا اور پانچواں مضمون ''القرآن والفلسفۃ الجدیدۃ'' اور ''مسئلہ ارتقاء'' ہے، یہ دونوں مضمون علامہؒ کے ابتدائی دور کے ہیں، جو کہ بعد کے ذوق سے مختلف ہیں، القرآن والفلسفۃ الجدیدۃ میں مسلمانوں کے اضطراب و پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کی، جو پریشانی مسلمانوں کو سائنس سے ہو رہی تھی کہ سائنس نے مذہب کے ارکان کو متزلزل کر دیئے ہیں، اس لئے قرآن کو سائنس سے بچاؤ، اس کا جواب یوں دیا کہ قرآن میں جو مباحث ہیں وہ اخلاقی، تمدنی اور سیاسی ہیں، یا وہ امور ہیں جن کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ اخلاق پر پڑتا ہے اور ان کو سائنس سے تعلق نہیں، ہاں ضمنی طور پر قرآن میں جو مسائل آئے ہیں، وہ خدا کے اظہار قدرت اور لطافت صنعت کے موقع پر ہیں۔

مسئلہ ارتقاء میں قرآن پاک کی کئی آیات بطور دلیل پیش کی ہیں اور اخیر میں سارے مضمون کا خلاصہ ایک سطر میں یوں کیا ہے: ''اگر مسئلہ ارتقاء صحیح ہے تو قرآن اس کا منکر نہیں، بلکہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن بھی صحیح علوم کا مخالف نہیں ہوسکتا۔''

چھٹا مضمون: ''ایمان بالغیب'' کے نام سے موسوم ہے، اس میں سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے غیب کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال کو وضاحت سے بیان کیا ہے، پھر آگے انسان کے حواس کے متعلق فرمایا کہ یہ انسان کے ذرائع علم ہیں اور ہر ایک جانتا ہے کہ حواس اپنے محدود دائرے میں کام کرتے ہیں، جو علم اس سے حاصل ہو وہ کامل کیسے ہوسکتا ہے، بلکہ اس کا ناقص ہونا یقینی ہے، اس لئے عالم غیب کے جن باتوں کا مشاہدہ انبیاء کرتے ہیں اور جن کی اپنے متبعین کو خبر دیتے ہیں وہ بالکل ممکن ہیں، خود ان کی اخلاقی زندگی اور اپنے محسوسات ومعتقدات پر غیر معمولی استحکام واستقلال اس بات کی دلیل ہے کہ جو وہ کہتے ہیں، وہ دیکھتے اور سنتے ہیں۔

ساتواں مضمون: بعنوان ''قرآن مجید پر تاریخی اعتراضات'' ہے، یورپ کے علماء مشرقیات اور مسیحیت کے حامیان دین نے قرآن مجید کے تعلق سے ایک عجیب اصول بنایا کہ ''قرآن کا ہر واقعہ تاریخی یا تو کسی دوسری مذہبی کتاب میں مذکور ہے یا وہ اس سے خاموش ہے'' پہلی صورت میں قرآن کا سرقہ ثابت ہوگا اور اگر روایت تنہا قرآن نے بیان کی تو اس کو افسانہ محض اور میتھالوجی قرار دیا جائے گا، مصنفؒ نے ان کی آسمانی کتابوں، اور لغت کے دلائل سے اس اصول کو لغو قرار دیا ہے اور اپنے جواب سے بڑی حد تک مطمئن کیا ہے۔

آٹھواں مضمون: ''اساطیر الأولین'' ہے، یہ ایک نصرانی مصنف کے اعتراض کے جواب میں ہے، اعتراض یہ تھا کہ قرآن کا نام اساطیر الاولین ہے اور یہ کئی مقامات پر آیا ہے، (تو جس کتاب کا نام اس طرح ہو وہ چشمۂ ہدایت کس طرح ہوسکتی ہے؟)، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اساطیر الاولین ہونے کی دلائل کے ساتھ نفی کی ہے اور اس کی تشریح کی ہے، اخیر میں یہ لفظ قرآن میں کتنی مرتبہ آیا ہے اور کن معنوں میں استعمال کیا گیا،

اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔

اگلا عنوان ''تذکار نزول القرآن، اُسوۃ النبی ﷺ'' ہے، اس مضمون میں ابتدائے نزول قرآن میں آپ ﷺ کے احوال کو بیان کیا گیا ہے اور رمضان المبارک کی مخصوص عبادات کے فضائل بتائے گئے ہیں، جیسے صیام رمضان، شب قدر، اعتکاف، قیام رمضان، یہ وہ عبادتیں ہیں، جو نزول قرآن کی یادگار ہیں۔

اس کے بعد مسلسل تین مقالات روزے سے متعلق ہیں: ''حقیقت صوم'' جو صرف چار صفحات پر مشتمل ہے، اس میں روزے کی حقیقت اور اس کے مقصود کا بیان قرآن وحدیث کی روشنی میں ہے۔

دوسرا موضوع ''روزۂ رمضان المبارک، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت'' ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی ابتداء میں قرآن کی آیات جو روزہ سے متعلق ہیں بیان کی ہیں اور روزے کے چند احکام بیان کئے، نیز روزے کی تاریخ، روزے کی حقیقت، رمضان کی ماہیت، روزہ پر اعتراض کا مفصل جواب دیا ہے۔

تیسرا مضمون ''ایام صیام پر نظر ثانی'' دراصل یہ مضمون ایک نام نہاد مجتہد کے غلط اجتہاد کے رد میں ہے، اس اجتہاد میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ صرف چند روزے فرض ہیں، تیس روزے فرض نہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جواب بھی بہت خوب دیا ہے، سب سے پہلے جن نحوی وصرفی قواعد کی کم فہمی کی وجہ سے مجتہد صاحب کو یہ شبہ لاحق ہوا تھا ان قواعد کو عام فہم انداز میں سمجھایا اور فرض روزے ۲۹/ یا ۳۰ دن ہی کے ہوتے ہیں، اس کو ثابت کرنے کے لئے ۱۳/ احادیث بیان کی ہیں اور مثبت جواب دیا ہے۔

ایک مضمون لفظ ''صلوٰۃ قرآن شریف میں'' ہے، جس طرح پہلے بعض مضامین میں اعتراضات اور غلط اجتہاد کے جواب تھے، اسی طرح یہ مضمون بھی ہے، ایک مولوی صاحب نے نماز کے بارے میں اپنی تحقیق یوں پیش کی کہ نماز کی مخصوص صورت صرف مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے، منفرد اشخاص کے لئے یہ

مخصوص صورت واجب نہیں، بلکہ محض دل سے ''یاد خدا کر لینا'' کافی ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس سوال پر ایک اور سوال بڑھایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ پر صرف الفاظ قرآن القاء ہوئے، یا ان کے معنی بھی القاء ہوئے، اس طرح سے اپنا جواب شروع کیا اور کافی تسلی بخش جواب دیا اور ایک گراں قدر اصول پیش فرمایا کہ یہ گمراہیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ کتاب کے ساتھ سنت کو نہیں لیا جاتا۔

''خلیل اللہ کی بشریت حضرات انبیاءؑ کے اوصاف عالیہ'' جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے، اس کا مرکزی محور چار انبیاء کرام ہیں: حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد ﷺ، پہلے ان چار انبیاء کے القاب بیان کئے گئے، پھر ان القاب سے ملقب کئے جانے کی وجہ اور اوصاف کمالی کے جاننے کا طریقہ اور اخیر میں انبیاء کرامؑ کی صفات کے صحابہ کرام میں جلوے، اس طرح مضمون مکمل ہو گیا۔

''ذبح عظیم'' تین صفحوں کے مختصر مقالے میں یہودیوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی، قرآن مجید اور تورات کی روشنی میں، غلط فہمی یہ تھی کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا وہ اسحاقؑ تھے۔

اگلا مضمون بھی اسی کی ایک شاخ ہے: ''قربانی کا اقتصادی پہلو'' یہ مضمون قربانی کے مفید پہلوؤں میں سے ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، عصر حاضر میں قرآن کے اقتصادی پہلو پر مطمئن کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

''سود اور صحف انبیاء'' مذکورہ بالا مضمون میں سود کی حرمت کے متعلق چاروں آسمانی کتابوں سے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں اور سود کی وہ خرابیاں بیان کی ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

''قیامت'' قیامت کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے اور ہر جگہ اس کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، چنانچہ مصنف نے ۱۶ رنام تحریر فرمائے ہیں، جو اس مضمون میں دلچسپی کا ذریعہ ہے، مضمون میں دلچسپی اور بھی بڑھ جاتی ہے جب علامہ سید سلیمان ندویؒ ہندوستان

کے فلاسفر اور یورپ کے ملحدین اور مادہ پرستوں کا نظریہ بتا کر غیر معمولی سوالات قائم کرتے ہیں اور ان منکرین سے جواب طلب کرتے ہیں۔

''تحریم شراب'' علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بہت ہی اہم مضمون پر قلم اٹھایا، اس مضمون کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ اسلام سے پہلے عرب وعجم میں لذائذ کی دنیا میں شراب سب سے بہتر نعمت سمجھی جاتی تھی، لیکن اسلام نے اس کو نہ صرف یہ کہ حرام بتایا، بلکہ اس کو خلاف فطرت قرار دیا، جس طرح اسلام فطری دین ہے، اسی طرح اس کا طرز تعلیم بھی فطری ہے، اس نے اپنے متبعین کو شراب کی حرمت کا مسئلہ بالکل تدریجی طور پر بتایا، ان کو تقلیدی ایمان پر مجبور نہیں کیا، اس حکم کے مصالح بھی بیان کئے، جن کو ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے اور اخیر میں جن لوگوں پر مذہب کا افسوں کارگر نہیں ہوتا، ان کے لئے یورپ کے محققین کی تحقیق بھی بیان کی گئی ہے۔

''حاکم حقیقی صرف اللہ تعالی ہے''، یہ مضمون ۱۶ر صفحات پر مشتمل ہے، اس میں مصنفؒ نے جابجا قرآن کی آیات، احادیث نبوی ﷺ اور علماء متقدمین کے اقتباسات کی روشنی میں یہ بات بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی کہ جب حاکم حقیقی اللہ ہے، تو زمین پر نظام بھی اسی کا چلنا چاہئے اور دستور زندگی بھی وہی اختیار کرنا چاہئے، جو اس کے منشأ کے مطابق ہو اور اخیر میں ''وأولی الأمر منکم'' پر خاصی تفصیلی بحث کی ہے۔

یہ مضمون ''آیات استخلاف'' کے نام سے معنون ہے، سابق مضمون سے قاری کے دل میں یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ حاکم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا تو ''انی جاعل فی الأرض خلیفۃ'' کے کیا معنی؟ اس مضمون میں ان آیات کی روشنی میں مسئلہ خلافت، اس کی حقیقت، شرائط ومصالح اور مقاصد ذکر کئے گئے ہیں، جن آیات میں انسان کو خلیفہ بنانے کا ذکر ہے، پورا مضمون (۱) استخلاف (۲) الارض (۳) تمکین دین (۴) تبدیل امن من بعد الخوف (۵) عبادت الٰہی وعدم اشراک ان پانچ الفاظ کی تشریح کی ہے۔

''جبر وقدر'' یہ مختصر سا مقالہ صرف دو صفحات پر مشتمل ہے، جو دوران سفر ایک سوال

''اگر خدا ہی نے انسان کے دلوں وکانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتا ہے تو اس میں انسان کا کیا قصور ہے؟ اس کو اس پر کیوں عذاب ہوگا؟'' کے جواب میں لکھا گیا ہے جو کہ بہت آسان، قابل فہم اور مدلل ہے۔

مضامین کا یہ مجموعہ قرآن سے متعلق ہے، قرآنی مضامین کے بحر بیکراں کو چند اوراق میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، موجودہ دور میں قرآن اور احکام اسلام پر اٹھنے والے اعتراضات کا مثبت انداز میں جواب اور غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے، مستشرقین اور ان سے متأثر طبقہ اسلامیات اور ایمانیات کو ہدف بناتا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہ مضامین تحریر فرما کر امت کا دفاع کیا اور بڑا احسان کیا۔

(۲۱) شذرات سلیمانی (اوّل، دوم وسوم):

زیر نظر کتاب ''شذرات سلیمانی'' علامہ سید سلیمان ندویؒ کے وہ نادر خیالات وتأثرات ہیں، جو ماہنامہ معارف میں شائع ہوتے رہے، اسلوب ادیبانہ مگر نرالا، لطافت وشیریں سے پر، دلائل وحقائق اور تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہیں کہیں منطقی طرز استدلال سے لبریز باتیں، اس کتاب کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔

شذرات سلیمانی کا پہلا حصہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا، تو اسی وقت سے اہل علم و اصحاب ذوق اور قدر دانوں کی طرف سے برابر اصرار ہوتا رہا کہ دوسرا حصہ بھی شائع کیا جائے، چنانچہ دوسرا حصہ ۱۹۹۷ء میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع ہوا، اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

شذرات کے پہلے حصہ میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۴ء تک کے شذرات ہیں، جب کہ دوسرے حصہ میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۲ء تک اداریئے جمع کئے گئے ہیں، اور تیسرے حصہ میں، اس کتاب میں جنوری ۱۹۳۳ء تا جون ۱۹۵۰ء کے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تحریر کردہ شذرات شامل ہیں۔

شذرات کے ذریعہ علامہ موصوف نے اپنے احساسات ونظریات اور تڑپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی ممکن حد تک کوشش کی ہے، وہ ہندوستان میں باہمی بھائی چارہ کے خواہاں تھے اور اس کے تئیں سرگرم بھی رہے۔

ماہ اگست ۱۹۲۵ء کے شمارے میں انہوں نے لکھا تھا: ''آج ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتاؤ کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا مرکز ہے؟ جس کی پکار پر مسلمانوں کا سواد اعظم لبیک کہنے کو تیار ہو جائے، پہلے علی گڑھ کا بت خانہ تھا، وہ ٹوٹا تو خیال ہوا کہ اب اس کی جگہ ایک متحدہ قبلہ تیار ہوگا، کچھ دنوں تک یہ امید قائم رہی، مگر پردہ اٹھا تو نظر آیا کہ ایک بت خانہ کی جگہ سینکڑوں بت خانے، ایک خود مختار شہنشاہی کی جگہ بیسیوں طوائف الملوکیاں الگ الگ پیدا ہو گئیں'' (کتاب مذکور)

شذرات سلیمانی کے اکثر مضامین میں ندوۃ العلماء کی طرف توجہ دلائی گئی، شاید ہی کوئی مضمون ایسا ہوگا، جس میں ندوۃ العلماء اور اس کے تعاون کے متعلق نہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک یہی وہ واحد پلیٹ فارم تھا، جو مختلف مسلکوں اور عقائد کے پیروکاروں کو یکجا اور متحد کر سکتا ہے، مرہٹی انسائیکلو پیڈیا میں حضور پاکؐ کے متعلق جو نازیبا کلمات لکھے گئے، سب سے پہلے معارف جلد ۱۷/نمبر ۲/۳ میں ان پر اعتراض کیا گیا، اور مراٹھی بولنے والے مسلمانوں کو ادھر متوجہ کیا گیا، اس کے بعد انجمن ضیاء الاسلام نے انسائیکلو پیڈیا کے چیف ایڈیٹر سے خط وکتابت کی، جس پر ایڈیٹر نے معافی مانگی۔

ان شذرات کی معنویت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل دو اقتباسات نذر قارئین ہیں:

> ''محمد رسول اللہ ﷺ نے امت کو کتاب اور سنت کی جو دو نعمتیں عنایت فرمائی تھیں، ہدایت انہی دونوں کے اندر منحصر ہے، اب جو بھی ایک کو چھوڑ کر صرف دوسرے پر قناعت کرے گا، وہ یقیناً گمراہ ہوگا، اور وہ ضلالت کی خودکشی سے کبھی نہیں بچ سکتا۔'' (۱)

(۱) شذرات: ۳۸۴۔۳۸۵

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''حکومت کا خواب دیکھنے والوں کو اسلام کا خواب دیکھنا چاہئے کہ اسلام کیا ہے، اس کا نظام کیا ہے، اس کے احکام کیا ہیں اور اس کے مطابق ہمارے افراد کی زندگی ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے، تو ہمارے اندر وہ انقلاب کیسے کیسے پیدا ہو، جو ہم کو ترکستان کی راہ سے ہٹا کر حجاز کی طرف لے جاؤ، جو ہم کو یورپ کی نقالی کے بجائے خود اپنی اصلیت مفقود کی تصویر ہم کو دکھا دے، تاکہ ہم خلافت موجود کے مستحق ٹھہریں۔

جب تک ہمارا مقصود صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین نہ ہوگا، اور اسی کے لئے روٹھنا اور منانا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا، ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں، لیڈریوں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے، اور کٹتے رہیں گے، کیونکہ ہم نے اپنا مقصود، انہی شخصی اعزازات اور اسی جاہ ومنصب کے حصول کو بنا رکھا ہے اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔''(۱)

معارف میں شائع ہونے والے مضامین اتنے معروف ہوئے کہ انہیں ''شذرات الذہب'' کہا جانے لگا، آج بھی یہ کتاب علماء اور ادباء کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

(۲۲) دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ قائم ہوئی، جو لوگوں کے سامنے نبوی دور کی یادیں تازہ کرتی رہی، اس کے بعد اموی حکومت، عباسی حکومتیں قائم ہوئیں، لیکن جب تاتاریوں کی یلغار ہوئی اور عراق تباہ وبرباد ہوا، تو عثمان خان نے خلافت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی، یہ حکومت اسلام کے سلسلہ میں بہت حساس ثابت ہوئی، اس کے حکمرانوں کے دلوں میں اسلام کا درد تھا، قسطنطنیہ کی فتح کا عزم مصمم اس کی روشن مثال ہے۔

تقریباً آٹھ سو سال تک یہ حکومت اپنا رعب غیر مسلم سلطنتوں پر قائم کئے ہوئے

(۱) شذرات: ۳۸۳-۳۸۴

تھی، لیکن پندرہویں صدی عیسوی (جس کونشأۃ ثانیہ کا نام دیا جاتا ہے) میں یورپیوں اور خاص کر یہودیوں کو جب قوت حاصل ہوئی، تو انہوں نے اسے (خلافت عثمانیہ) اخلاقی واقتصادی وسیاسی اعتبار سے کمزور کرنا شروع کر دیا، اسپین میں قبضہ کے بعد باطل کو مزید حوصلہ حاصل ہو چلا تھا کہ ان کے ناپاک حیلے کسی حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں، چنانچہ وہ خلافت کو زیر کرنے کے در پے ہوگئے، عیسائیوں اور یہودیوں نے باہم مفاہمت کر کے گھناؤنی سازشوں سے ماحول سازی کرنی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب کہ سارا اثاثہ مع قوت اقتدار وسطوت اٹھا اٹھا کے''کمال اتاترک'' کے ہاتھوں میں آ گیا اور خلیفۂ معظم پر بدگمانی کے نتیجہ میں آوازیں کسی جانے لگیں، مصر وعراق، نجد وحجاز، شام ویمن پورا عرب خلافت کا مخالف ہوگیا، ایسے نازک وقت میں ہندوستان میں ایک جماعت تحریک خلافت کے نام سے ابھری، جس کی سربراہی علامہ سید سلیمان ندویؒ فرما رہے تھے، اس تحریک نے خلافت اور سلطان معظم کی حمایت میں اپنے آپ کو کھل کر پیش کیا، اس تحریک نے اپنے وفود کو دنیا کے اکثر وبیشتر خطوں میں بغرض مفاہمت بھیجا، گرچہ خلافت کا خاتمہ ہوگیا، لیکن باوجود یہ کہ خلافت عثمانیہ کی مخالفت میں نعرے گونج رہے تھے، (جیسا کہ عام طور پر مسلمان سمجھتے ہیں، بلکہ انہیں یقین واثق ہو چلا ہے) مسلم ممالک کے علاوہ کثیر وقلیل آبادی والے غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلم بھی خلیفہ معظم کی حمایت میں اپنے اپنے خطوں سے ثبوت فراہم کر رہے تھے، کرب وبلا، سوزش وہمدردی کا برملا اظہار کر رہے تھے، گرچہ لادینیت اور عصبیت کے گلوگرفتہ کے غلغلہ اور طنطنہ سے یہ نحیف ثابت ہونے والی آوازیں محدود مکاں ہی میں رہیں، برگ وبار نہ لا سکیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت میں ذرا تفصیل سے اس موضوع کو بیان کیا ہے، یہ تقریریں تحریک خلافت کے اجلاس شاہ جہاں پور میں کی گئی تھیں، ممبئی سے نشر ہوئیں اور ۵۰ر صفحات میں مخطوطات کی شکل میں ہیں، اس کی کاپی مکتبہ علامہ شبلی نعمانیؒ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں موجود ہیں۔

(۲۳)خیام:

یہ کتاب ۴۵۹ رصفحات پر مشتمل ہے،آغاز کتاب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سوانح خیام کے مآخذ ومصادر پر ناقدانہ تبصرہ اور عالمانہ بحث کی ہے ،اس میں فرانسیسی مستشرق ہوٹسیما،روسی مستشرق والنٹین زوکووسکی ،انگریزی مصنف ڈینی سن راس ،پروفیسر ای-جی براؤن اور علامہ عبدالوہاب قزوینیؒ نے جن مأخذوں کا ذکر کیا ہے،ان سب کے نام تفصیل سے ذکر کئے ہیں، پھر آخر میں بڑے وثوق کے ساتھ اپنی طرف سے ان مأخذوں کے نام لکھے ہیں، جو صحیح ترتیب زمانی کے لحاظ سے قابل اعتبار ہیں۔

(۱) تاریخ حکماء الاسلام (یا تتمہ صوان الحکمۃ) ظہیر الدین ابوالحسن بیہقیؒ تألیف ۵۴۹ھ

(۲) چہار مقالہ،عروضی سمرقندیؒ تألیف ۵۵۲ھ

(۳) خریدۃ القصر ،عماد الدین کاتب اصفہانیؒ تألیف ۵۷۲ھ

(۴) نزہۃ الأرواح شہروزی تألیف مابین ۵۸۶ھ ، ۶۱۱ھ

(۵) تاریخ الحکماء قفطی تألیف ۶۲۴ھ ،۶۴۶ھ

(۶) آثار البلاد زکریا قزوینیؒ تألیف ۶۷۴ھ

(۷) استظہار الأخبار قاضی احمدؒ ۷۰۰ھ

(۸) جامع التواریخ رشید الدین فضل اللہ المقتولؒ ۷۱۸ھ

(۹) تاریخ گزیدہ حمداللہ مستوفی ۷۳۰ھ

(۱۰) فردوس التواریخ مولانا خسرو ابروقوہی ۸۰۸ھ

(۱۱) تاریخ الفی ،احمد بن نصر اللہ ٹھٹھوری سندھیؒ ۱۰۰۰ھ

(۱۲) اوٹو رتھ فیلڈ Umar khayyam and his age (Otto Rothfeld)

(۱۳) ڈچ فاضل A,Christensen

کسی بھی چیز کی تعیین ،ادوار وسنین کے بغیر ناقص وناکمل رہتی ہے،عمر خیام کے

حالات زندگی کے سنین بھی بہت ہی گنجلک اور پر پیچ تھے، علامہؒ نے سب سے پہلے انہی صاف اور منقح کرنے کی کوشش کی۔

''خیام کی زندگی کے ساتھ یہ واقعہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ وہ نظام الملک اور حسن صباح کا ہم درس تھا'' اگر اس کے غلط اور صحیح ہونے کی نوعیت معلوم ہو جاتی تو پھر ان کی زندگی کے سنین متعین ہو سکتے تھے، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس واقعہ کا بڑا گہرا تجزیہ کیا ہے جن جن مأخذوں میں ان کا حوالہ دیا گیا تھا، ان پر مدلل عالمانہ بحثیں کیں، ان مآخذ اور بیانات کے تجزیہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ مذکورہ واقعہ من گھڑت ہے، جو خیام کی زندگی کے بہت بعد اس کی طرف منسوب کر دیا گیا، پوری بحث کرنے کے بعد خیام کی مستند تاریخ ولادت ۴۴۰ھ اور نظام الملک طوسی کا سنہ ولادت ۴۰۸ھ یا ۴۱۰ھ متعین کیا ہے، مزید یہ کہ حسن بن صباح کا بچپن ''رے'' میں گزرا اور خیام کی پیدائش ''نیشاپور'' میں ہوئی اور وہیں ان کی ابتدائی تعلیم ہوئی، اس وجہ سے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دونوں کا مکتب میں ہمدرس ہونے کو باطل قرار دیا اور بڑی شد و مد کے ساتھ حقیقت کو واشگاف کیا ہے جو صفحہ ۱۵ر تا ۴۵ پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خیام کی وفات اور ولادت کے سنین کی تعیین کی ہے، علامہ تحقیق و جستجو کے مختلف مراحل اور شواہد کے گہرے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ عمر خیام کی وفات ۵۲۶ھ میں ہوئی اور ولادت ۴۴۰ھ میں ہوئی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ تاریخ الفی کے مصنف احمد نصر اللہ ٹھٹھویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے قریہ ''شمشاذ'' کو خیام کا وطن بتایا، فریڈرک زون نے بعض کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کا مولد ''لوکر'' تھا، جو رودخانۂ مرغاب کے کنارے مرورود کے قریب واقع تھا، علامہؒ نے دونوں کے بیان کی بھرپور تردید کی ہے اور پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کا مولد شہر ''نیشاپور'' تھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ خیام کے نام و نسب کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

کہ ''تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خیام کا نام ''عمر'' اور ان کے والد ''ابراہیم'' تھے، عمر عام طور سے خیام کی نسبت کے ساتھ مشہور ہے اور اس کو کبھی کبھی ''خیامی'' بھی لکھا گیا ہے، مگر وہ رباعیات میں خیام ہی لکھتا ہے، خیام کے معنی خیمہ دوز کے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان میں خیمہ دوزی کا پیشہ ہوتا تھا اور اسی مناسبت سے وہ خیام کے نام سے مشہور ہے''۔

بعض مصنفوں اور خصوصاً فریڈرک زون نے خیمہ دوزی کی نسبت عمر خیام کی بزرگی کے خلاف جان کر خیام کے معنی خیمہ ساز کے بجائے خیمہ نشیں لئے ہیں، نیز کچھ مصنفوں نے عرب کا کوئی قبیلہ بتانے کی کوشش کی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ ان تمام باتوں کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خیمہ دوزی کے خاندانی پیشہ سے ہمارے ایک عالی مرتبت فلسفی اور بلند مرتبہ شاعر کی توہین ہوتی ہے، غلط ہے۔ کیونکہ مساوات پسند اسلام کی تاریخ میں ایسی بے شمار ہستیاں ہیں، جو ادنی خاندانی پیشوں کی نسبت کے باوجود مشاہیر فن اور اکابر علم کی فہرست میں داخل ہیں، جیسے امام محمد غزالیؒ، سوت کاتنے والے تھے، فقہ حنفی کے مشہور عالم امام شمس الأئمہ، حلوائی تھے، وحدۃ الوجود کا مشہور مبلغ وشہید حسین بن منصور حلاّج، یعنی نداف تھے، مشہور شاعر خاقان نجار، یعنی بڑھئی تھا، علی ھذا القیاس علامہؒ نے ناقدانہ طور پر کہا کہ خیمہ دوز ہونا ہمارے فلسفی شاعر اور ہیئت داں کے لئے توہین کا باعث اور تحقیر کا سبب نہیں، بلکہ ملک کی معاشرتی ترقی ومساوات اور عام تعلیم کا ثبوت ہے۔

خیام کی زندگی کا ایک پہلو تأہل اختیار کرنا بھی ہے، کتاب نظام الملک طوسی کے مصنف مولوی عبدالرزاقؒ کا دعوی ''خیام نے تأہل کی زندگی اختیار نہیں کی اور ہمیشہ مجرد رہے'' کی تردید کی ہے اور مستند حوالہ سے بتایا کہ اس نے تأہل اختیار کیا اور اولاد میں کم از کم ایک لڑکی تھی، جس کی شادی خیام کی زندگی ہی میں بغداد کے ایک فاضل سے ہو چکی تھی۔

اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ ہر چمن کی رونق وشادابی کے پیچھے کسی

نہ کسی مالی کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے، لیکن مشرق ومغرب کے کسی تذکرہ نویس نے کہیں نہیں لکھا کہ خیام کا فضل وکمال کن کن بزرگوں کی تعلیم کا رہین منت تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا، علامہؒ رقمطراز ہیں کہ خیام کا وطن نیشاپور ہمیشہ سے علم وفن کا مرکز رہا، جس عہد میں خیام نے ہوش کی آنکھ کھولی، نیشاپور میں متعدد باقاعدہ درس گاہیں اور علماء کی مجلسیں قائم تھیں، خیام کے عہد میں نیشاپور میں سات بہت اچھے مدرسے تھے، جن کی آغوش میں خیام پل کر جوان ہوا، اگر سنین اجازت دیں تو آپ نے جمال الاسلام امام مؤفق شافعیؒ متوفی ۴۴۰ھ کی مجلس میں مذہبی تعلیم حاصل کی، خیام کے اساتذۂ ہیئت میں ایک نام ابوالحسن الانباریؒ (یاالانبیری) کا ہے، مزید یہ کہ خیام نے اپنے رسالہ کون وتکلیف میں ابوعلی سینا کو اپنا استاد (معلم) لکھا ہے، علامہؒ فرماتے ہیں: اگر استاد نہ ہو تو غالباً وہ ان کی تصنیف سے بے حد عقیدت رکھتا تھا، انتہا یہ کہ وہ اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں ابوعلی سینا کی ''شفاء'' نامی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا، نیز ابوطاہر کی تربیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

حیات خیام کے زیر وبم پر مزید گفتگو کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ترکستان کے ایلک خانی اور ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں خیام کی آمد ورفت، ملک شاہی رصد خانہ میں ان کی ضرورت اور عزت وشرف، دیگر سلاطین امراء ووزراء سے تعلقات کا بہترین انداز میں نقشہ کھینچا ہے، معاصرین سے تعلقات ومباحثات کو واقعات کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

زندگی کی راہ میں ہر مسافر کو جانے انجانے میں کانٹے چبھ ہی جاتے ہیں، چنانچہ عمر خیام کی نسبت یہ عام شکایت کی گئی کہ وہ اپنے علم میں بخیل تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی تردید کی ہے اور ان کی تصنیفات پر طویل تبصرہ بھی کیا ہے، جن کی تعداد دہائی سے بھی زائد ہیں، نیز ان کے شاگردوں کے نام بھی لکھے ہیں اور کہا ہے کہ بھلا جس نے بڑی ہی کدوکاوش اور جدوجہد سے جبر ومقابلہ کے اصول پر بے مثال کتاب تصنیف کی ہو اور اصول اقلیدس پر محققانہ کتاب لکھی ہو اور مشاہدات فلکی کی زیج تیار کی ہو، اس کو بخیل العلم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ جس اعلیٰ منزل پر پہونچ گیا تھا، اس میں اس کو درس وتدریس اور

شاگردی واستادی سب ہیچ نظر آتی تھی، پھر یہ کہ ان کے چند شاگردوں کا ذکر بھی آیا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ شاعر خیام کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خیام کے ابتدائی سوانح نگار اس کا ذکر شاعر کی حیثیت سے مطلق نہیں کرتے ہیں، بلکہ کہیں کہیں ان کے چند عربی، فارسی اشعار کی ایک دو رباعیوں کا ذکر آ گیا ہے، رباعی گو کی حیثیت سے مشرق میں اس نے بڑا درجہ نہیں پایا تھا، لیکن جب فٹز جیرالڈ F.Scott Fitzerald نے اس کی رباعیات کا ترجمہ انگریزی میں کیا تو وہ صرف شاعر کی حیثیت سے جانا گیا۔ اپنی بات کو پختہ دلیلوں سے ثابت کرنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خیام کا مطالعہ رباعی گو کی حیثیت سے کیا اور اس سلسلہ میں عربی وفارسی میں رباعی گو کی پوری تاریخ لکھ دی، اس کی وجہ تسمیہ اور مختلف ادوار میں مختلف نام کیا کیا رکھے گئے، اس کی ایجاد کب ہوئی، فارسی میں کون کون بڑے رباعی گو شاعر گزرے ہیں اور ان کی مقبولیت کے کیا اسباب ہوئے؟ یہ معلومات تقریباً ۴۰ رصفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

خیام اپنی رباعیات میں شراب کا ذکر بار بار کرتا ہے، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خیام کی شراب کی نوعیت کی وضاحت کی ہے اور اس کی تائید میں اس کی رباعیات بکثرت پیش کی ہے، اور اپنے دعوی کے ثبوت میں بعض رباعیوں کے معانی ومطالب بتا کر ان پر مدلل بحث کی ہے کہ خیام کی شراب سے مراد دنیا کا مکدر شراب نہیں ''بلکہ خیام جب اپنی رباعیات میں شراب، فور بادہ، صراحی، پیالہ اور گل وکوزہ کا ذکر کرتا ہے تو ان سے پینے کا نہیں، بلکہ دیکھنے کا کام اور جب ٹوٹنے پھوٹنے کا ذکر کرتا ہے تو ان کے ذریعہ وہ زوال وفنا اور تعبیر کی تشبیہوں اور اشعاروں کو ادا کرتا ہے، ان کا تعلق مستی وسرشاری سے نہیں ہوتا'' (۱)

اس کتاب کے آخری باب کا عنوان جعلی خیام ہے، اس میں یہ دکھایا گیا کہ بعض حلقوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ خیام ایک لاابالی شخص تھا، جو شب وروز مست پڑا رہتا تھا اور عالم خمار میں جو کچھ بک جاتا تھا وہ رباعی بن جاتی تھی، وہ تناسخ کا بھی قائل تھا اور وہ تمام

(۱) خیام ص: ۳۵۴

موجودات کو وہم قرار دیتا تھا وغیرہ وغیرہ.....

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان تمام باتوں کو بے بنیاد بتایا ہے اور اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ساری باتیں خیام پر سراسر الزام اور بہتان ہے، جعلی خیام میں تو یہ باتیں نظر آئیں گی، پر اصلی خیام میں نہیں پائی جائیں گی۔

(۲۴) لغات جدیدہ:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک شاہکار تالیف ''لغات جدیدہ'' بھی ہے، اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آپ کا حساس دل اور تاریخی نگاہ دیکھ رہی تھی کہ عربی زبان اپنے تمام الفاظ ومحاورات کے ساتھ باقی ہے، پھر بھی جدید انقلابات سے متأثر ہو رہی ہے، اس میں جدید آلات، جدید ضروریات تمدن، جدید علمی، سیاسی، تجارتی اصطلاحات اور جدید اختراعات وایجادات، جدید رسوم ورواج، جدید خیالات کے لئے موجودہ زبان میں نئے الفاظ پیدا ہو رہے ہیں اور ہو گئے ہیں، جو یا تو خود عربی الفاظ ہیں، یا کسی قدر قدیم ہیں، لیکن وہ قدیم عربی لغات میں غیر فصیح قرار پا کر مدون نہ ہوئے اور نہ بولے جاتے ہیں یا غیر زبانوں سے منتقل ہو کر موجودہ عربی میں مستعمل ہیں، یہ تمام الفاظ اخبارات، مضامین، رسائل اور تصانیف میں اس قدر شائع ہیں کہ ان الفاظ سے ناواقف آج کسی جدید علمی یا سیاسی تصنیف سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ان وجوہات کے پیش نظر علامہ موصوف نے ایک ڈکشنری ترتیب دی، پیش نظر تالیف اسی ضرورت پر مبنی ہے، جس میں تقریباً چار ہزار الفاظ ہیں:

ان تمام نئے الفاظ کو اہل لغت نے ان کو اولاً دو حصوں میں منقسم کیا ہے: ''مولد اور ''دخیل یا معرّب''۔

مولد: وہ لفظ ہے جو کسی غیر زبان سے نقل ہو کر نہیں آیا، بلکہ وہ خود عربی لفظ ہے جو کسی مناسبت سے جدید معنی میں مستعمل ہوا، اس کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ وہ جو خود عربی زبان میں اسی ہیئت اور صیغہ کے ساتھ موجود ومستعمل تھا، لیکن

پہلے اس کے یہ جدید معنی نہ تھے، پہلے لفظ کی مناسبت سے الفاظ کے یہ دوسرے جدید معنی پیدا ہوئے، اس ضمن میں علوم وفنون کی وہ تمام اصطلاحات داخل ہیں، جو خود عربی زبان میں کسی مناسبت سے ان کے لئے وضع کئے گئے، نحو، صرف، ادب، بلاغت، عروض، منطق، فلسفہ، طب اور ریاضیات وغیرہ میں اس قسم کے لاکھوں الفاظ ہیں، اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

لفظ	جدید معنی	قدیم مناسب معنی
حضارۃ	تہذیب وتمدن	شہر میں قیام کرنا
طبع	چھاپنا	مہر کرنا
محافظ	گورنر	نگراں
ناظر	افسر	نگراں

۲۔ یہ کہ وہ لفظ عربی زبان میں گو پہلے سے موجود تھا، لیکن جس صیغہ ہیئت اور اشتقاق کے ساتھ اب اس کا جدید معنی میں استعمال ہے، پہلے نہیں تھا، اگر چہ آپس میں مناسبت برقرار ہے، جیسے:

لفظ جدید	جدید معنی	مشتق منہ قدیم	معنی قدیم
ابراق	تار بھیجنا	برق	بجلی
عمیل	ایجنٹ	عمل	کام
صحافۃ	اخبار نویسی	صحیفۃ	کاغذ
تشخیص	ایکٹ کرنا	شخص	قالب
تشجیر	گل بوٹا بنانا	شجر	درخت

۳۔ یہ کہ دراصل لفظ عربی الاصل نہیں ہے، لیکن عربی میں اس کا استعمال ہو گیا ہے اور اس سے اشتقاق پیدا کر لئے گئے ہیں، جیسے:

اشتقاق	معنی	اصل	کس زبان سے آیا
کھربۃ	برقی قوت طاری کرنا	کھربا	فارسی

تبلیط	پتھر کا فرش بچھانا	بلاط	لاطینی
شطر	شطرنج کھیلنا	شطرنج	سنسکرت
قرصنہ	بحری ڈاکہ ڈالنا	قرصان	اسپینی
تکھین	کہانت کرنا	کھنوت	سریانی

۴۔ یہ کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جو دو یا چند لفظ سے مل کر بنے ہیں، ان میں سے ہر لفظ گو عربی ہے اور اپنے معنی میں مستعمل ہے، لیکن ترکیب کے لحاظ سے وہ مولد ہیں، جیسے:

لفظ مرکب	معنی	الفاظ مفردہ	معنی
مجلس الأعیان	ہاؤس آف لارڈ	مجلس اعیان	مجلس شرفاء
التصویر الشمسی	فوٹوگرافی	تصویر، شمس	تصویر، آفتاب
رسوم البلدان	ایٹلس، نقشہ، جغرافیہ	رسوم، بلدان	نقش، شہر
قائم مقام	اسسٹنٹ کمشنر	قائم، مقام	قائم مقام، نائب
کاتب الاسرار	سکریٹری	کاتب، اسرار	لکھنے والا، راز

دخیل، معرّب: وہ لفظ جو کسی غیر زبان سے منتقل ہو کر عربی میں آیا، اس کو اس لحاظ سے کہ عربی زبان میں وہ ایک اجنبی لفظ ہے، دخیل کہتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ اب وہ عربی میں مستعمل ہو گیا، اس کو معرّب کہتے ہیں۔

یہ الفاظ جو عربی زبان میں غیر زبانوں سے داخل ہوئے، ان کے لئے کوئی زمانۂ دخول مخصوص نہیں کیا جا سکتا ہے، عہد جاہلیت سے لے کر عہد اسلام تک اور عہد انقلاب سے تا عہد حال عربوں کا اختلاط و تزاحم دنیا کی مختلف اقوام سے رہا، ان تینوں زمانوں میں جن جن زبانوں سے عربی میں الفاظ آئے، ان کی دو قسمیں ہیں:

اوّل وہ زبانیں جن سے عربی میں کم الفاظ آئے، وہ درج ذیل ہیں:
جرمنی، چینی، روسی، سواحل و جزائر ہند، حبشی، عبرانی، انگریزی، قبطی، سنسکرت۔

دوم وہ زبانیں جن سے عربی نے نہایت کثرت سے الفاظ حاصل کئے، اس شق

میں ذیل کی زبانیں داخل ہیں:

سریانی، لاطینی، فرنچ، ایتالین، ترکی، یونانی، فارسی۔ان تمام الفاظ کی جو زمانۂ جاہلیت، زمانۂ اسلام یا زمانۂ حال میں سے کسی بھی زمانہ میں عربی میں آئے ہیں،ان کی فہرست مع اصل ومعنی کے کتاب کے اخیر میں دیدی گئی ہے،جن کی تعداد ۱۴۶۸ ہے۔

ایک نہایت عجیب بات یہ ہے کہ موجودہ عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو درحقیقت عربی ہیں اور پھر بھی وہ دخیل ہیں،ان کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آج یورپ کے اثر نے عربی زبان میں الفاظ داخل کردئے ہیں،اسی طرح عربوں کی ترقی کے عہد میں عربی کی کثیر التعداد الفاظ یورپین زبانوں میں داخل ہوگئے تھے،اب وہ الفاظ ایک اجنبی لفظ کی صورت میں ہیئت بدل کر پھر سے عربی میں آرہے ہیں مثلاً:

قدیم عربی	یورپین زبان	جدید عربی
امیر البحر	ایڈمیرل	امیرال
دارالصناعۃ	ڈرسنا	ترسانۃ
الکحول	الکوہل	الالکحول

اس کتاب میں صرف وہ دخیل ومولد الفاظ لئے گئے ہیں، جواب تک مستعمل ہیں اور کتب لغات جدیدہ میں وہ مدون نہ ہوئے اور وہ الفاظ اب متروک ہیں، فائدہ کی غرض سے ان الفاظ کا آخر میں ضمیمہ شامل کیا گیا ہے،الفاظ حروف معجم کی ترتیب سے لکھے گئے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''ان کثیر الفاظ کی فہرست کو دیکھ کر یہ شبہ نہ ہو کہ عربی زبان کی کثرت ثروت صرف غیروں کی اندوختہ دولت سے ہے،اول تو ان چند ہزار دخیل الفاظ کو عربی زبان کے کئی لاکھ اصل الفاظ سے کوئی نسبت نہیں، دوم جس قدر عربی زبان دوسری زبانوں کی قرض دار ہے، دوسری زبانیں بھی تو عربی کی قرض دار ہیں، نیو انگلش ڈکشنری میں دیکھو کہ انگریزی میں عربی

کے کتنے الفاظ ہیں، ہنری لانس نے فرنچ میں جو عربی الفاظ ہیں، ان پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اسپینی اور پرتگالی زبان میں عربی زبان کے جو الفاظ ہیں، پروفیسر ڈوزی اور پروفیسر انگلمین نے ان کو ایک کتاب میں جمع کیا، جو ۱۸۶۹ء میں میں لندن میں چھپی، فارسی اور ترکی جن سے عربی زبان نے کچھ الفاظ لئے، ان کا یہ حال ہے کہ آج ان سے عربی الفاظ نکال لئے جائیں تو وہ زبان نہ باقی رہیں'' (۱)

(۲۵) دروس الأدب (حصہ اوّل، دوم):

ندوۃ العلماء نے عربی زبان وادب کو زندہ زبان کی حیثیت سے عام کرنے کے لئے متنوع کوششیں کیں، طلبہ کے لئے نئی کتابیں تیار کروائیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''دروس الأدب'' اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کے دو حصے ہیں، ۱۹۰۸ء میں یہ کتاب منظر عام پر آگئی اور بڑی مقبول ہوئی، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر سبق میں مناسب انداز اور اچھی ترتیب کے ساتھ نحو وصرف کے ضروری قواعد مثالوں کے ذریعہ پیش کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں مرفوعات، منصوبات، مجرورات، موصوف وصفت، واحد، تثنیہ اور جمع کے علاوہ معطوف ومعطوف علیہ، موصولات، ضمائر اور اشارات سے واقف کرانے کی کوشش کی گئی ہے، دوسرے حصہ کے پہلے باب میں جو جملے اور فقرے درج ہیں ان میں نحوی وصرفی قواعد مدنظر رکھے گئے ہیں، اسی کے دوسرے باب میں استعمال ہونے والے جملے تحریر کئے گئے ہیں۔

ابتداء میں اسمیہ وفعلیہ جملوں کو علٰحدہ علٰحدہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ کو ان سے واقفیت ہوجائے اور وہ ان کا فرق جان لیں، بعد میں دونوں قسم کے جملے ساتھ ساتھ درج ہیں۔

پہلے حصہ میں عربی جملوں کے ساتھ خاص طور پر اردو جملے بھی مشق کے لئے دئے گئے ہیں، تاکہ طلبہ کو عربی دانی کے ساتھ اردو سے عربی میں ترجمہ کی مشق بھی ہوجائے۔

(۱) لغات جدیدہ: ۱۰

ہر سبق کے شروع میں خاص خاص لفظوں کے معنی پہلے ہی لکھ دیئے گئے، تا کہ طلبہ مشق وممارست سے ان سے فائدہ اٹھائیں، آخر میں عربی کے بعض نئے لفظوں کے معنی بھی اسی لئے درج کئے گئے ہیں کہ گفتگو میں انہیں استعمال کیا جائے۔

طلبہ کی ذہنی اور نفسیاتی اصلاح وتربیت کی غرض سے بامعنی اور پاکیزہ جملے ہی تحریر کئے گئے ہیں، جابجا قرآن مجید کی آیتیں اور فقرے درج کئے گئے ہیں اور آخر میں بعض مختصر سورتیں بھی نقل کی گئی ہیں، تا کہ طلبہ کی مذہبی ذہن کی بھی نشو ونما ہوتی رہے۔

الغرض کتاب بڑی عمدہ، آسان اور دلکش ہے، بڑے ہی شگفتہ انداز میں مرتب کی گئی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کی بڑی پذیرائی ہوئی۔

(۲۶) مکاتیب سلیمان (مرتبہ مولانا مسعود عالم ندویؒ):

مولانا مسعود عالم ندویؒ ندوۃ العلماء کے ایک ممتاز فرزند اور عربی واردو کے باکمال ادیب تھے، کئی سال تک ندوہ کے عربی ترجمان ''الضیاء'' کے ایڈیٹر رہے، پھر ایک مدت بجنور سے شائع ہونے والے رسالہ ''مدینہ'' میں شریک ادارت رہ کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے وابستہ ہوگئے، تقسیم ہند کے موقع پر پاکستان گئے اور وہیں اسلام کے پرجوش مبلغ وترجمان رہے، ۱۶/ مارچ ۱۹۵۴ء کو راہی آخرت ہوئے۔

مولانا مسعود عالم ندویؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے، جب بھی کوئی اہم کام کرتے تو ان سے مشورہ ضرور لیتے تھے، زندگی کا کوئی موڑ ہو، علامہ سید سلیمان ندویؒ چاہے جہاں ہوں، لیکن ان کی مشورہ طلبی کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، جواب میں علامہ سید سلیمان ندوی صرف رسمی خط پر اکتفا نہیں فرماتے تھے، بلکہ ایک مربی کے انداز میں مکتوب نگار کو دین وشریعت کی روشنی میں اچھا مشورہ دیتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی کے ان خطوط کو مولانا مسعود عالم ندوی نے ''مکاتیب سلیمان'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔

(۲۷) مکتوبات سلیمانی (مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ):

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی ولادت ضلع بارہ بنکی کے قصبہ دریاباد میں ۱۶؍شعبان ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۶؍مارچ ۱۸۹۲ء کو ہوئی، قدوائی خاندان کے اس مردمجاہد نے کالج سے اپنی زندگی کا آغاز کیا، لیکن مذہب کی گرفت نے اس کی ایسی دستگیری کی کہ آستانہ قرآن پر لا ڈالا، آپ تحریک خلافت کے تاحیات مؤید ونمائندہ رہے، صحافتی زندگی میں ''سچ لکھنؤ''، ''صدق لکھنؤ'' اور ''صدق جدید لکھنؤ'' نکالے، جو اپنی تاریخ کے کامیاب رسالے ثابت ہوئے، آپ کی درجنوں کتابیں ہیں، جو اسلوب کی عمدگی اور طرز ادا میں بے مثال ہیں، آپ کا انتقال ۱۶؍محرم ۱۳۹۷ھ مطابق ۶؍جنوری ۱۹۷۷ء کو ہوا۔

آپ جہاں ایک بہترین مفسر قرآن تھے، وہیں بے مثال صحافی وادیب اور فلسفہ کے ماہر ورمز شناس تھے، آپ کی خدمات کا دائرہ تمام فنون پر مشتمل ہے، آپ کے سید صاحب سے تعلقات کا آغاز شبلی مکتب فکر سے عشق کے ذریعہ ہوا اور مرور زمانہ کے ساتھ استحکام اور پختگی آتی گئی، علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کے علم وفضل، صلاحیت ولیاقت کے بہت معترف تھے، کئی بار آپ نے مولانا دریابادیؒ کو دارالمصنفین آنے کی دعوت دی اور اپنے غائبانہ میں معارف کی ایڈیٹری کا منصب بھی عنایت فرمایا، اسی تعلق کا اثر تھا کہ مولانا دریابادیؒ کو علامہ سید سلیمان ندوی سے اور علامہ ندویؒ کو مولانا دریابادیؒ سے بے پناہ محبت تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مولانا دریابادیؒ کو جو خطوط لکھے ان کو تقریباً ۱۲۰۰ بیش قیمت توضیحی حواشی کے ساتھ دو جلدوں میں ''مکتوبات سلیمانی'' کے نام سے صدق جدید بک ایجنسی نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے، ان مجموعوں میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کا جو سرمایہ ہے وہ عموماً ملکی حالات، خانگی معاملات اور تحریکی کوائف پر مشتمل ہے۔

(۲۸) تذکرۂ سلیمان (مرتبہ ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ):

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے معتقدین خاص میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر غلام محمد

حیدرآبادی کا ہے، آپ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو جلوت وخلوت میں دیکھا اور کسب فیض کیا، مزید آپ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ سے بیعت وارشاد کا تعلق قائم رکھا اور ان کے ارشاد فرمودہ معمولات ووظائف کی پابندی کی، بعد مکانی کے پیش نظر مراسلت سے اس تعلق خاطر کو باقی رکھا، جب بھی آپ نے کوئی مسئلہ دریافت کیا یا اپنی پریشانی ذکر کی تو علامہ سید سلیمان ندوی نے مطابق حال مشورہ دیا اور آیات قرآنی کی روشنی میں ان کی رہنمائی فرمائیں، ان شاء اللہ دور ہو جائے گی۔

یہ کتاب دراصل علامہ سید سلیمان ندوی کی سوانح حیات ہے، لیکن اس کی دوسری جلد خطوط اور مکتوبات پر مشتمل ہے، جو علامہ سید سلیمان ندوی کے علمی رسوخ اور پختہ تصلب کی دلیل ہیں۔

(۲۹) خطوط سلیمان (مخطوطہ) (مرتبہ مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ):

مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز مفسر، کامیاب استاد اور تجربہ کار مربی ہیں، آپ کی پیدائش ۱۹۱۴ء اور انتقال ۱۴۱۷ھ میں ہوا، ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی، ۱۹۲۷ء کو ندوہ کے درجہ چہارم عربی میں داخلہ لیا، اور ۱۹۳۲ء میں فضیلت سے فارغ ہوئے، چند دنوں کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے استفادہ کی غرض سے دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں کچھ کتابیں پڑھیں، ۱۹۳۶ء میں دار المصنفین تشریف لے گئے، جہاں ۱۹۴۶ء تک قیام کیا، اس مدت میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے تیس پارے قرآن مجید کی تفسیر، الفوز الکبیر، کشف الدولۃ مولفہ ابن رشد اور میبذی پڑھی اور انہی کی رہنمائی میں علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا، اور ابن قیم کے تفسیری افادات کو ''التفسیر القیم'' کے نام سے مرتب کیا، قرآنی علوم سے فطری شغف کی بنیاد پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں قرآنیات کے استاد مقرر ہوئے، پھر اس کی مسند شیخ التفسیر کو زینت بخشی، دوران قیام ندوۃ

العلماء بھی آپ کی سید صاحبؒ سے مراسلت رہی، واضح رہے کہ یہ خطوط کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہیں۔

(۳۰) مشاہیر علمائے ہند کے علمی مراسلے (مرتبہ مفتی ظفیر الدین مفتاحی):

مفتی ظفیر الدین مفتاحی ایک جلیل القدر عالم، مفتی دارالعلوم دیوبند اور اردو کے ممتاز اہل قلم، بیسوں کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کی تاریخ ولادت ۷/مارچ ۱۹۲۶ء اور تاریخ وفات ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء وطن ''پورہ نوڈیہہ'' ضلع دربھنگہ (بہار) ہے، ۱۹۴۴ء میں مفتاح العلوم مئو سے فارغ ہوئے، جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کے در پر جا پڑے کہ خدمتِ دین کے میدان بتائے جائیں، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مفتی صاحب کی نوعمری کو دیکھتے ہوئے دارالمصنفین اعظم گڈھ سید صاحب کے یہاں بھیجا، تاکہ ان کی صحبت میں رہ کر علم وتحقیق کا ذوق پیدا ہو جائے، یہ ہے مفتی صاحب کے سید صاحب سے تعلقات کی ابتدا، پھر انہوں نے سید صاحب کی رہنمائی میں اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، اور ہر موقع پر مشورہ طلب کیا، سید صاحب نے مطابق حال مشورے اور قیمتی آراء سے نوازا۔

(۳۱) خطوط سلیمانی (مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری):

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری پاکستان کے معروف مصنف تھے، شاہ جہان پور اتر پردیش میں ۳۰ جنوری ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے، اور انتقال ۲/فروری ۲۰۲۱ء کو ہوا، والد ماجد کا نام محمد حسین خاں تھا، آپ کے والد قیام پاکستان کے تقریباً تین سال بعد مئی ۱۹۵۰ء میں مع اہل خانہ پاکستان منتقل ہو گئے، ۱۹۶۲ء میں میٹرک اور ۱۹۶۸ء میں بی، اے اور ۱۹۷۰ء میں سندھ یونیورسٹی میں ایم، اے (اردو) پاس کیا، اس کے دس سال بعد ۱۹۸۰ء میں سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، بقول جناب اسحاق بھٹی ''اب تک ادب،

تاریخ ، مذہب ، سیاست ، سوانح ، صحافت وغیرہ موضوعات سے متعلق پچاس سے زیادہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں‘‘ برصغیر ہندو پاک کی قومی وانقلابی شخصیات اور سیاسی تحریکات سے آپ کو خصوصی دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر کام بھی کیا ہے، لیکن حجم اور ضخامت کے اعتبار سے ان کا زیادہ تر کام مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق ہے، اسی وجہ سے ماہر آزادیات کے نام سے آپ کی شہرت ہے، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی کے مابین اچھے تعلقات تھے، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری نے اس تعلق کو دیکھتے ہوئے علامہ موصوف کے مکاتیب بنام مختلف شخصیات وعمائدین کو ’’خطوط سلیمانی‘‘ کے نام سے مرتب کئے۔

(۳۲) مشاہیر کے خطوط بنام سید سلیمان ندویؒ:

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ان خطوط (مکاتیب) کے مجموعے ہیں، جو ان کو ملک کے اکابر ومشاہیر فضلاء نے ارسال فرمائے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہرت عالمگیر تھی، اکثر بڑے اور اہم دینی، علمی، تعلیمی، ادبی اداروں اور انجمنوں، مختلف قومی وعلمی تحریکوں سے آپ کا ربط وتعلق تھا، اور ملک کے اکابر ومشاہیر فضلاء سے گہرے مراسم تھے، جن سے اکثر خط وکتابت بھی رہتی تھی، ان مشہور شخصیات میں مولانا الطاف حسین حالی، اکبر حسین الہ آبادی، سید مہدی حسن آفادی، سید حسین بلگرامی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ محمد اقبال، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، اور مولانا آزاد کے مکاتیب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا حالی کا خط جو اس کتاب (مشاہیر کے خطوط) کا حسن آغاز ہے، وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نام لکھتے ہیں: ’’مولوی صاحب شفیق ومکرم دام فضلہم، باعث تصدیق یہ ہے کہ ضلع آرہ سے ایک خط خاکسار کے پاس پہنچا ہے، جس میں لفظ تلکنہ جو ہندوستان کے سلاطین کے دفاتر میں مستعمل تھا، اس کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کی ہیں، جن کا جواب مخدومی مولانا شبلی صاحب بالقابہ کے سوا لکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا، لیکن چونکہ مولانا

نہایت عدیم الفرصت ہیں ،ان کو اس کام کی تکلیف نہیں دی جاسکتی ،مگر امید ہے کہ آپ مولانا کی امداد اور رہبری سے اور مولانا کے بیش قیمت کتب خانہ کی مدد سے اس مشکل کو باحسن وجوہ حل فرماسکیں گے ، میں نہ تو اس کام کا اہل ہوں اور نہ میرے پاس وہ کتابیں موجود ہیں،جن سے اس سوال کے جواب لکھنے میں مدد ملے''۔

اسی طرح اکبر الہ آبادی نے مولانا کی علمی وادبی حیثیت اور ان کی گونا گوں صلاحیتوں کو جانتے ہوئے اپنے خط میں مولانا کی تعریف کس انداز میں کی ہے، وہ لکھتے ہیں:''علم میں تو درجات مختلف ہوتے ہیں،آپ علم کے دیوتا ہیں،اقبال صاحب ڈاکٹر اور پروفیسر ہیں، میں صرف فاعلاتن فاعلاتن ہوں،لیکن مسلمان ہونے میں اور خدا کو ماننے میں سب برابر ہیں،امید نجات اور مغفرت سب کو رکھنی چاہئے:"اللّٰہ نور السمٰوات الأرض ، واللہ بکل شیء محیط " "ھو الأول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم " "قال من ربکما یا موسیٰ قال ربنا الذی أعطی کل شیء خلقه ثم ھدی ".

اسی طرح علامہ شبلیؒ کی ایک کتاب شعرالعجم جس کا پانچواں حصہ اس وقت شائع نہیں ہوا تھا،سید مہدی حسن نے خط میں اس کتاب کو شائع کرنے کی درخواست کی ہے، کیونکہ سید مہدی حسن لکھتے ہیں:''مولانا شبلی کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے، جن کو انہوں نے صرف دیکھی نہیں ، بلکہ آنکھوں سے لگائی ہے ،ان کو دیکھنے سے اگلے پچھلے سارے نکتے یاد آگئے ہیں اور صدمہ ہوا کہ یہ نعمت ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی ،صوفیانہ شاعری کی نزاکتیں جس نفاست سے دکھائی گئی ہے،ان سے میں بہت متاثر ہوا، میں تصوف متعارف سے زیادہ گھبراتا ہوں ،لیکن مولانا کے انتقادات پڑھنے کے بعد ایک دزدیدہ اور خاموش اثر دل میں پاتا ہوں،جس سے قوت انحراف قریب قریب زیر ہوچکی ہے''۔

ان خطوط نگاروں میں مولانا ابوالکلام آزاد ہیں،جن کے تعلقات علامہ سید

سلیمان ندویؒ سے بہت دیرینہ اور گونا گوں تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا شبلی مرحوم کے شاگرد خاص اور ان کے فیض یافتہ تھے، اس رشتہ سے دونوں خواجہ تاش (ہم خیال و ہم نوا) تھے، دونوں ایک عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، الہلال کلکتہ اور قومی کاموں میں ساتھ رہ چکے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد مولانا کی رائے اور مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے، مولانا آزاد نے ایک پرچہ الہلال کے نام سے شائع کیا، الہلال ایک تحریک تھی، انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ ''آپ جس طرح چاہیں ایڈٹ کیجئے،، مجھے اس کے سوا اصول و پالیسی کے جن میں آپ مجھ سے متفق ہیں اور کسی بات سے تعلق نہیں، میں بالکل آپ پر چھوڑتا ہوں اور خود اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہوں، صرف اپنے مضامین کو دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا، باقی آپ اس کو شائع کر دیجئے گا''۔

غرض یہ کہ ان خطوط میں ہر طرح کے، علمی، ادبی، تاریخی پہلو پائے جاتے ہیں جن کو بڑے بڑے شاعر، سیاسی رہنماؤں نے لکھا، آپ علمی، ادبی، تاریخی صلاحیتوں میں ممتاز تھے، اسی بنا پر لوگ آپ سے گہرے تعلق رکھتے تھے، آپ کو ہر ایک سے خاصا انس تھا۔

(۳۳) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی؟:

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی پوری زندگی اسلام کا تعارف کرایا، اسلامی تعلیمات کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں اور الزامات واعتراضات کا بحسن وخوبی ازالہ کیا اور اسلام کو ایک زندہ اور متحرک دین کی شکل میں پیش کیا۔

۲۷ر صفحات پر مشتمل زیر نظر کتابچہ میں زمانۂ دراز سے لگایا گیا الزام کہ ''ہندوستان میں اسلام تلوار سے پھیلا'' کا تشفی حل پیش کرتا ہے اور سیکڑوں دلائل وتاریخی

صداقتوں کے ذریعہ ثابت کرتا ہے کہ مسلم سلاطین، مبلغین و مصلحین، لا اکراہ فی الدین کے فارمولے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اخلاق و کردار اور اسلامی تہذیب کے ذریعہ دعوت پیش کی ہے، نہ کہ تلوار سے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اسی کتاب میں رقمطراز ہیں کہ ہندوستان میں اسلام تلواروں سے نہیں، بلکہ اس کی ترقی ان ہی طریقوں سے ہوئی، جس سے دنیا میں ہر داعی مذہب کی ہوتی ہے، ہوئی ہے، ہوگی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم سلاطین کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ''تلاش ہند'' میں لکھا ہے کہ بابر کی لکھی ہوئی تاریخ سے اس میں اس تہذیبی افلاس کا پتہ چلتا ہے، جو شمالی ہند پر چھایا تھا، بہت سے ہندو اور اہل قلم مؤرخین نے یہ اعتراض کیا کہ مسلمانوں نے ہمارے کلچر کو مالا مال کیا ہے، بقول پروفیسر محسن عثمانی ندوی: سندھ کے غیر مسلم باشندے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے اخلاق و کردار کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انہوں نے اپنی فطرت ثانیہ کے مطابق محمد بن قاسم کا بت بنا ڈالا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کو فتح کرنے میں صرف شمشیر کا ہی حصہ نہیں، بلکہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا بھی حصہ ہے، جس کی بنا پر لاکھوں غیر مسلم فوج در فوج اسلام میں داخل ہوگئے، جس طرح لوہے کے ٹکڑے مقناطیس سے آکر چپک جاتے ہیں، داخل ہوگئے۔

زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں جناب صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

> ''جب یہ مضمون معارف میں شائع ہوا تو ان (مسلمانوں) کی جھکی ہوئی گردنیں یکا یک خوشی بلکہ فخر سے اٹھ گئیں ہیں۔''(۱)

مذکورہ کتابچہ کی اہمیت کے پیش نظر ہر طالب علم کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، تاکہ اسلام اور مسلم سلاطین سے متعلق برادران وطن کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکے۔

---

(۱) مقدمہ کتاب

(۳۴) اسلام اور بہائیت:

زیرنظر تصنیف میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک انتہائی مہلک فتنہ باطنیت کے اصل چہرہ کو آشکارا کیا ہے، اور اپنے مخصوص طرز استدلال سے اس فتنہ کا ایسا مدلل تعاقب کیا ہے کہ پچانوے (۹۵) صفحات پر مشتمل یہ ایک مختصر سا رسالہ اس موضوع پر حرف آخر ہے، اور اس کے مالہ وماعلیہ کو سمجھنے کے لیے بہت کافی ہے۔

یہ فتنہ کیا ہے؟ کن اغراض ومقاصد کے تحت اس کو برپا کیا گیا؟ جنوبی ایران کے شہر شیراز کے ایک متوسط درجہ کا باشندہ حسین علی بہاءاللہ اس فرقہ کا بانی ہے اور اسی نسبت سے اس دین جدید کا نام ''بہائیت'' پڑا، سرزمین ایران سے اٹھنے والے دو مشہور فرقے (۱) بابی (۲) اور بہائی یہ دراصل ایک ہی جڑ (اثناعشری) کی دو شاخیں ہیں، جس نے ایران و یورپ کے بعد ہندستان کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کی، بہائیت کے متعلق ایک انگریز مفکر کی تحقیق ہے کہ یہ فرقہ روسیوں کا بے زر غلام ہے، اور روسیوں کو بہائیوں کے بڑھانے میں وہی نسبت حاصل ہے جو انگریزوں کو قادیانیوں کے بڑھانے میں حاصل ہے، اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ بہاءاللہ مہدی موعود ہیں، پھر اس کے بعد ایک نظام نبوت کے بانی (پیغمبر اور نبی) اس کے بعد مظہر الٰہی یا اوتار (یعنی خدا ایک ہے اور بہاءاللہ وہ آئینہ ہے جس میں اس کا عکس ہے اور ہر شخص اس میں اس کو دیکھ سکتا ہے)۔

یہ ہے اس دین جدید کی واہیات وخرافات، جس کی پر اس مذہب کی بنا ہے، اور مقاصد بھی کچھ اسی طرح ضلالت وشقاوت اور عداوت وبدبختی پر مبنی ہیں، علامہ کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں: ''ان کا اصول دین یہ ہے کہ خود اپنے مذہب کے اصلی عقائد کو چھپایا جائے اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے دلوں میں ان کے مذہبوں کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کو اپنے مذہب سے متزلزل، مشکوک اور برگشتہ کیا جائے۔'' (۱)

(۱) اسلام اور بہائیت، ص: ۷۷

یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ علامہ کے وہ قسط وار مضامین ہیں جو انہوں نے سرائے میر اعظم گڑھ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الاصلاح'' (فروری مارچ تا جون ۱۹۳۷ء) کے لیے لکھا تھا، جس کو مارچ ۲۰۱۰ء میں ''علامہ سید سلیمان ندوی ریسرچ سینٹر لکھنؤ'' نے افادۂ عام کی غرض سے شائع کر کے قارئین کے لیے ضیافت طبع کا سامان فراہم کر دیا۔

(۳۵) نقوش سلیمانی:

نقوش سلیمانی علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ان نگارشوں کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے اردو زبان وادب اور اس کی تاریخ سے متعلق تحریر فرمائے ہیں، تین ابواب پر یہ کتاب منقسم ہے:

۱۔خطبات ۲۔مقالات ۳۔مقدمات

پہلے باب میں وہ خطبے اور تقریریں شامل ہیں، جو انہوں نے ہندوستان کی مؤقر اردو کانفرنسوں میں بحیثیت صدر پیش کیا، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔خطبۂ صدارت اجلاس شعبۂ ترقی اردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ پونا ۱۹۱۵ء

۲۔خطبۂ صدارت ہندوستانی اکیڈمی، پانچویں اردو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۳۷ء

۳۔خطبۂ صدارت شعبۂ اردو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ ۱۹۳۹ء

۴۔ہندوستان میں ہندوستانی، مقالہ انجمن اردوئے معلیٰ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۳۳ء

۵۔ہماری زبان کا نام، تقریر شعبۂ اردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۳۷ء

۶۔ہماری زبان بیسویں صدی میں، نومبر ۱۹۳۶ء کی ایک ادبی کانفرنس کا صدارتی خطبہ

دوسرے باب میں مقالات کے تحت وہ ادبی مضامین درج ہیں، جو ۱۹۱۵ء سے کتاب کی اشاعت ۱۹۳۹ء تک ماہنامہ 'معارف' اور دوسرے معیاری رسائل میں شائع ہوتے رہے، اس باب میں شامل مضامین کی تفصیل:

۱۔اکبر کا ظریفانہ کلام	معارف	اگست ۱۹۱۶ء
۲۔اردو انسائیکلوپیڈیا	معارف	دسمبر ۱۹۱۶ء

۳۔زبان اردو کی ترقی کا مسئلہ	معارف	ستمبر	۱۹۱۷ء
۴۔ہوم لینگویج (ملکی زبان)	معارف	اکتوبر	۱۹۱۷ء
۵۔انڈیا آفس لائبریری میں اردو کا خزانہ	معارف	جون	۱۹۲۰ء
۶۔انجمن اردوئے معلیٰ میں چند سوالوں کا جواب	سہیل، علی گڑھ	جنوری	۱۹۲۶ء
۷۔ہاشم علی کا مجموعہ مراثی	ہندوستانی	جولائی	۱۹۳۱ء
۸۔اردو کیوں کر پیدا ہوئی؟	معارف	جولائی	۱۹۳۳ء
۹۔بہار کے نوجوان اور ادب کی خدمت	ندیم، گیا		۱۹۳۵ء
۱۰۔سفر گجرات کی چند یادیں	معارف	ستمبر	۱۹۳۶ء
۱۱۔بعض پرانے لفظوں کی تحقیق	ہندوستانی	جولائی	۱۹۳۸ء
۱۲۔تہنید	معارف	جولائی	۱۹۳۹ء
۱۳۔جواہر الاسرار میں کبیر کی بات چیت	معارف	مارچ	۱۹۳۹ء

تیسرے باب میں حسب ذیل ادبی وشعری کتابوں پر تقریظ ونقد ہے:

۱۔مکاتیب شبلی	علامہ شبلی نعمانی
۲۔مکاتیب مہدی	مہدی افادی
۳۔گلستان امجد	امجد حیدر آبادی
۴۔کلیات شاد	شاد عظیم آبادی
۵۔کلیات عشق	شاہ رکن الدین عشق
۶۔شعلۂ طور	جگر مرادآبادی
۷۔خمستان	اثر صہبائی
۸۔مسدس حالی	مولانا حالی
۹۔خیاباں	محمود اسرائیلی

یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق وتنقید کا شاہکار ہے، اس کے خطبوں اور مضامین کی مدد سے اردو کے آغاز سے اب تک کی پوری تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے، اردو کی ابتداء اور آغاز کے سلسلے میں علامہ ندویؒ کی جو تحقیق ہے اس کو ابتدا تنقید واستہزا کا نشانہ بنایا گیا، لیکن رفتہ رفتہ حقیقت حال سب پر منکشف ہوگئی، اردو کی اہمیت، اسے قومی زبان بنائے جانے پر زور دینے اور اس کے خط کو دیوناگری (موجودہ ہندی خط) سے تبدیل نہ کرنے کے سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تحریریں نہایت چشم کشا ہیں، اسی طرح اردو کی بقا، اس کی اہمیت کے دلائل، واقعات اور اسباب پر سیر حاصل بحث، اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا دفاع ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کو فن لغت اور اشتقاق الفاظ سے خصوصی مناسبت تھی، ان کا ایک مقالہ ''پرانے لفظوں کی نئی تحقیق'' کے نام سے شامل کتاب ہے، اس میں علامہ ندوی نے کل ۳۹/الفاظ پر بحث کی ہے، جس میں تحقیق وجستجو کے تمام افق سر کئے ہیں، مضمون کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

> ''لغت کا کام عام طور سے لفظوں کے معنی بتانا سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی طرح قوموں سے متعلق ہر چیز ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے، زبان قوم کی تاریخ کا نہایت اہم جزء ہے، اس لئے زبان اور اس کے لفظوں کی تاریخ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے، .....قومیں اپنی تاریخوں میں کتنی خیانت کریں اور ان کے واقعات کو کتنا ہی الٹ پلٹ ڈالیں، مگر زبان اور اس کے الفاظ کا ذخیرہ سچے امانت دار کی طرح پچھلی روداد کا ریکارڈ یا مسکل (مقدمہ) ہمارے لئے تیار رکھتا ہے، جس سے اس زبان کے محقق ضرورت کے وقت پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں، چنانچہ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کسی قوم سے تعلقات اور رابطے دنیا کی کن کن قوموں سے رہے ہیں، تو اس قوم کے لفظوں کے خزانے میں ہمارے لئے

معلومات کا بڑا سرمایہ محفوظ ملے گا۔''(۱)

نقوش سلیمانی کا ایک اہم مقالہ ''تہنید'' ہے، جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اردو کو عربی اور فارسی کی ماتحتی سے نکال کر ایک مستقل زبان ہونے کی حیثیت سے وکالت کی، جس طرح عرب والے عربی بنانے کے عمل کو تعریب، فارس والے فارسی بنانے کے عمل کو تفریس کہتے ہیں، اسی طرح اہل ہند کو بھی تہنید کا پورا حق ہے، اور یہ استدلال پیش کیا کہ ''ایک قوم کا آدمی جب کسی دوسری قوم کی بولی کا کوئی لفظ لیتا ہے تو اس کی زبان کی فطرت مجبور کرتی ہے کہ ارادہ و احساس کے بغیر اس کی شکل بدل دے گا، وہ ہمارے لہجہ سے ہمارے لفظوں کو نہ نکالے گا، اس میں بھی کچھ ہیر پھیر کرے گا''، بیس صفحات پر مشتمل اس مقالہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے پچاسوں عربی لفظوں کی مثالیں دے کر سمجھایا ہے کہ ان کے معنی اور ساخت عربی میں کچھ اور تھے اور اردو میں آ کر کچھ اور ہو گئے۔

نقوش سلیمانی کا ایک مقالہ ''اکبر کا ظریفانہ کلام'' ہے، جس میں کلام اکبر اور اس کی شوخی وظرافت نہایت پر مغز تبصرہ، اور کلام اکبر کی سات اہم خصوصیات کا تذکرہ ہے، جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں، جس میں رعایت لفظی یا تجنیس، جدت قافیہ، مخاطب کے دعوی کی تشریح، ایہام، قدیم شعراء کے خیالات کو دوسرے پیرائے میں ادا کرنا، جدید محاورات کا استعمال، اور جدت تشبیہ واستعارات کے تحت اشعار کی مثالیں اور ان کے رنگ وآہنگ سے بحث کی ہے۔

کتاب کے آخری باب میں ''مقدمات'' کے تحت علامہ سید سلیمان ندویؒ کا تحقیقی وتنقیدی اور ادبی رنگ جلوہ گر ہوتا ہے، مہدی افادی کی ''مکاتیب مہدی'' پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کا خوبصورت تبصرہ ملاحظہ ہو:

''مہدی مرحوم کے خطوط پر نقد وتبصرہ کرنا اور ان کی خوبیوں کو ایک

(۱) نقوش سلیمانی ص:۲۸۹

ایک کر کے دکھانا ایسا ہی کام ہے جیسے کسی خوش رنگ اور خوبصورت پھول کی ایک ایک پنکھڑی توڑ کر کوئی ستمگار قدرت کی صناعی کی داد دے، وہ پھول ہیں، پھولوں کی قدر یہی ہے کہ آپ ان سے لطف اٹھائیں بس، جہاں آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے وہ مرجھانے لگے، اور نازک پتیاں آپ کی انگلیوں کی سختی سے جھڑنے لگیں۔''(۱)

جگر کی ''شعلۂ طور'' پر علامہ سید سلیمان ندوی کا جمالیاتی عکس ملاحظہ ہو:

'' جگر کی شاعری میں نہ زلف و شانہ ہے نہ سرمہ و آئینہ، نہ ہوس بالائے جام نہ شکایت منظر عام، نہ اس کے کاشانہ خیال میں چشم ہائے بسمل کی آئینہ بندی ہے، نہ اس کے محبوب کے ہاتھوں میں قصاب کی چھری اور جلاد کی تلوار ہے، اس کے کوچہ میں شہداء کے دل وجگر کی گلکاری ہے، وہ مست ہے اور اس مستی میں کسی نادیدہ کا سراپا مشتاق نظر، وہ اس کے حجابات کو اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے بار بار اٹھا دینا چاہتا ہے، مگر نہیں اٹھا سکتا، وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا ہے، مگر نہیں دیکھ سکتا، اس کی تمنا کی آنکھیں کبھی بے حجاب دکھائی دیتی ہیں تو وہ ہاتھ اٹھا کر چھونا چاہتا ہے، مگر وہ تصویر نگاہوں سے غائب ہو جاتی ہے۔

جگر مست ازل ہے، اس کا دل سرشار الست ہے، وہ محبت کا متوالا اور عشق حقیقی کا جویا، وہ مجاز کی راہ سے حقیقت کی منزل تک اور بت خانہ کی گلی سے کعبہ کی شاہراہ کو اور خم خانہ کے بادۂ کیف سے بیخود و فراموش ہو کر بزم ساقیٔ کوثر تک پہونچنا چاہتا ہے۔''(۲)

۴۷۶ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب علم و تحقیق اور زبان و ادب کا شاہکار ہے، اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی زبان میں: ''سید صاحب کے کمالات ادبی و تنقیدی کی ایک مہرزدہ دستاویز ہے''۔

---

(۱) نقوش سلیمانی ص:۳۷۹ (۲) نقوش سلیمانی ص:۴۳۱

(۳۶)ارمغان سلیمان:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ابتداء ہی سے شعر وشاعری کا بڑا شوق تھا، انہوں نے زمانہ طالب علمی سے آخر عمر تک اشعار کہے ہیں، انہوں نے غزلوں کے علاوہ نعت، قومی نظمیں، مراثی، قطعات اور رباعیات بھی کہی ہیں، جس سے کلام کی صنفوں پر ان کے عبور کا اندازہ ہوتا ہے، مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی نعت کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

آہستہ قدم، نیچی نگہ، پست صدا ہو — خوابیدہ یہاں روح رسول عربی ہے
اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ — بے قاعدہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے
کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی کی — محبوب خدا ہے وہ جو محبوب نبی ہے

متوسط تقطیع کے ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل یہ دیوان علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شاعری کا مکمل مجموعہ نہیں ہے، خصوصاً دور اول کے اشعار خال خال ہی نظر آتے ہیں، شاید علامہ نے انہیں ثقاہت ومتانت کے خلاف سمجھ کر تلف کر دیا ہو، یا زمانہ کے دستبرد کا شکار ہو گئے ہوں، بہر کیف جو کچھ اس مجموعہ میں موجود ہے علامہ ندوی کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے، یہ مجموعہ ڈاکٹر غلام محمد حیدر آبادی کا مرتب کردہ ہے، جو کراچی سے شائع ہوا ہے، اس کا خوبصورت ایڈیشن دار المصنفین اعظم گڑھ سے ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا ہے، وہ مجلد ہے اور ۱۶۳ر صفحات میں ہے۔

(۳۷)علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات (دوجلدیں) مرتبہ محمد فرمان ندوی:

یہ کتاب ''علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تفسیری نکات'' علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مختلف کتابوں اور جرائد سے تفسیری شذرات، قرآنی جوہر پاروں کا مجموعہ ہے، جس کو مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے شائع کیا ہے، اور یہ دو جلدوں میں ۱۲ سو صفحات سے زائد صفحات میں ہے،، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمہ اور مولانا ڈاکٹر سید

سلمان ندوی، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کی تقریظات اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی عرض ناشر سے مزین ہے۔

کتاب کی پہلی جلد چار ابواب پر مشتمل ہے، باب اول ''علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ان کا تفسیری مزاج'' ہے، جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مختصر حالات زندگی اور ذوق قرآنی کو بیان کیا گیا ہے اور دیگر مترجمین قرآن کے تراجم اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ترجمہ کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اسی طرح قرآن کی تفسیر قرآن سے اور قرآن کی تفسیر حدیث سے کس طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ کرتے تھے، وہ بھی نمونہ کے طور پر شامل ہے، اسی طرح اس باب میں مقاطع آیات، عمود قرآن اور تفسیری نکات کو بیان کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے درس قرآن کی خصوصیت اور قرآنی خدمات شامل باب ہیں۔

باب دوم قرآنی استناد (مکاتیب وخطوط) اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خطوط ورسائل اور مکتوبات ومقالات کے قرآنی نکات شامل ہیں، نیز علامہؒ روزمرہ کی گفتگو میں قرآنی آیات سے جو استدلال کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندویؒ سے عقیدت رکھنے والے حضرات نے ان خطوط ورسائل کو محفوظ کرلیا ہے، جو کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں: جیسے مولانا مسعود عالم ندویؒ نے ''مکاتیب سلیمان'' میں، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ''مکتوبات سلیمانی'' دوجلدوں میں، ڈاکٹر غلام محمد حیدرآبادیؒ نے ''تذکرۂ سلیمان'' میں، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ''خطوط سلیمان'' میں اور مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ نے ''مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے'' میں جمع کئے ہیں۔

باب سوم '' قرآنی الفاظ، تحقیق ونکتہ آفرینی'' کے نام سے ہے، اس میں اسماء حسنی، اسماء قرآن، اعلام القرآن، اقوام القرآن، امکنۃ القرآن، الفاظ قرآن کو بڑی تحقیق سے ان کے نکات کو بیان کیا گیا ہے، جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالی نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اعلی درجہ کے فہم قرآن کے ذریعہ بیش قیمت نکات ومعانی بھی ان کے لوح قلب پر منکشف فرمائے۔

باب چہارم ''نکات قرآنی'' کے نام سے ہے، جس میں صرف دو موضوع ہیں، مگر مقصد کتاب اسی باب میں پوشیدہ ہے، سب سے پہلے نکات سورۂ فاتحہ، پھر متفرق نکات جیسے رسالت کی حقیقت اور اس کے شرائط، نبی اور غیر نبی میں امتیاز اور بہت سے ایسے نکات ہیں، جن کو عمیقانہ انداز میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مختلف کتب اور جرائد سے کھنگال کر پیش کیا گیا ہے، مولانا عمیر الصدیق ندوی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تفسیر سلیمانی کی اس تشکیل میں فاضل مرتب کا امتحان تھا، اور یقیناً وہ سرخ رو ہو کر نکلے۔''(۱)

اس کتاب کی دوسری جلد تین ابواب پر مشتمل ہے:

باب پنجم علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری افادات پر مشتمل ہے، اس میں ایمانیات، عبادات، اخلاقیات، معاملات، دعوت و اصلاح سے متعلق ان کی قرآنی تحریروں کے اقتباسات ہیں۔

باب ششم حواشی قرآنی سے متعلق ہے، یہ علامہ ندوی کے ذاتی نسخہ پر لکھے گئے حواشی کی ترتیب و تدوین ہے، اس میں تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث اور نکات قرآنی، اور کلمات قرآنی کی تحقیق پر سیر حاصل بحث ہے۔

باب ہفتم سیرت نبوی قرآن کے آئینہ میں ہے، اس باب میں سیرت نبوی سے متعلق آیات قرآنی کی تفسیر میں علامہ ندویؒ نے جو کچھ لکھا ہے، ان کو جمع کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری ذوق کی نہ صرف یہ کہ مکمل نمائندگی کرتی ہے، بلکہ قاری کے سامنے بحث و تحقیق اور سوچ و فکر کے لئے نئے دریچے بھی وا کرتی ہے۔

کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مجلّہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ کے تبصرہ نگار نے لکھا ہے:

''پیش نظر مجموعہ میں جو مواد علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نوٹس اور حواشی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، وہ اپنی نوعیت اور معنویت کے

(۱) معارف جنوری: ۲۰۱۶ء

اعتبار سے منفرد ہیں، امید ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کا جذبہ رکھنے والوں کو اس سے بھرپور استفادے کا موقع ملے گا، اللہ تعالی اس کا فائدہ عام کرے اور سب کو اس سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے''(۱)، ایک دوسرے تبصرہ نگار کے مطابق کے مطابق ''مرتب موصوف نے سید صاحب کے تفسیری نکات کو جمع وترتیب کرکے ایک قابل قدر دینی وعلمی خدمات انجام دی ہیں، جس کے لئے وہ بلاشبہ شائقین قرآنیات کی جانب سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔''(۲)

(۳۸)مفردات القرآن للعلامة السيد سليمان الندوي:

علوم القرآن پر مختلف زاویوں سے بیشمار کتابیں لکھی گئیں ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اصل موضوع قرآن تھا، انہوں نے ایک مدت اس کی غوطہ زنی میں صرف کی، اس لئے ان کے ذہن میں ایسے قرآنی نکات اور معانی آئے، جو دوسرے مفسرین کے یہاں کمیاب ہیں، انہوں نے متعدد پہلوؤں سے قرآن کی خدمت کی ہے، پیش نظر کتاب ''مفردات القرآن'' سے متعلق ہے، جو ان کے مختلف مقالوں اور کتابوں میں بکھرے ہوئے جواہر پاروں کا مجموعہ ہے، ہندوستان میں دوسرے اہل قلم بھی ہیں، جنہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، لیکن ان کی تشریح الفاظ قرآن اور اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فہم قرآنؒ میں نمایاں فرق ہے، علامہ نے صرف الفاظ کے معنی ہی نہیں بیان کئے ہیں، بلکہ ان کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے، اس طرح لفظ کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ تحقیق نہیں چھوڑا، مزید برآں علامہ سید سلیمان ندوی الفاظ کے اعجازی پہلو سے بھی واقف تھے، بلاغت کلام پر ان کی گہری نظر تھی، اس لئے ان کی تشریحات میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ ایک نمونہ نذر قارئین ہے:

---

(۱) مجلّہ تحقیقات اسلامی (جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء)

(۲) ششماہی مجلّہ، علوم القرآن، شبلی باغ، علی گڑھ (جنوری، جون ۲۰۱۵ء)

''بعل دیوتا یہ شام کا معبد تھا، قرآن نے بھی اسی ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے، بعل کے لغوی معنی قوت کے ہیں، اسی سے مجازاً آقا کے معنی اور اس کے بعد شوہر کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے، چنانچہ دوسرے معنی میں یہ لفظ قرآن میں بکثرت آیا ہے، عرب کا مشہور دیوتا ہبل جو قریش کا خدائے اعظم تھا، اسی بعل کی تحریف ہے، عربی میں ھ کلمہ تعریف ہے، بعل کو ہبعل کہتے ہیں، عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب لے کر چلا تو مکہ پہونچتے پہونچتے ہبعل کی صورت ہبل سے بدل گئی، اس کی انسان کی مورت تھی، عقیق سرخ سے بنایا گیا تھا، اس کا داہنا ہاتھ ٹوٹا تھا، قریش کو اسی حالت میں ملا تھا، انہوں نے سونے کا ہاتھ بنوا کر لگایا تھا، یہودیوں کے بعل کی شکل بھی یہی تھی، فرق یہ ہے کہ یہ تمام تر سونے کا تھا، ہبل خاص خانہ کعبہ میں نصب تھا، فال کے پانسے اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔''(۱)

کتاب ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نیز علامہ سید سلیمان ندویؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر سید سلمان ندوی کی تقریظ سے مزین ہے، علامہ ندویؒ کا تعارف مولانا رحمت اللہ ندوی (مقیم قطر) کے قلم سے ہے، اور سید صاحب کی قرآنی اور تفسیری خصوصیات مرتب ومترجم کتاب کے قلم سے ہیں، اسی طرح عرض مرتب میں کتاب کی ترتیب وتالیف کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب الأسماء الحسنی، اعلام القرآن، أمم القرآن، أمکنۃ القرآن، کلمات القرآن سے بحث کرتی ہے، اخیر میں آیات قرآنی، احادیث نبویہ، نیز اشعار عرب کا اشاریہ بھی ہے۔

راقم سطور کی یہ کتاب پہلی بار ''المجمع الاسلامی العلمی''، لکناؤ، الھند سے ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

---

(۱) مفردات القرآن: مادہ بعل، کلمات القرآن

(۳۹)علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ یہ کتاب دراصل مجلّہ ''معارف'' میں شائع کئے گئے ان خطبات ورسائل کا مجموعہ ہے ،جس کو آپ کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی نے موجودہ حالات میں اس کی اہمیت کے پیش نظر جمع کیا ہے۔

اس کتاب میں آٹھ مضامین ہیں، جو اپنے اندر وسعت معلومات اور علمی تحقیقات کا نمونہ ہے،علامہؒ جب ''اشتراکیت اور اسلام'' کے موضوع پر بحث کرتے ہیں تو دنیا کی مختلف قوموں کے اشتراکی نظام اور اس کی بنیاد کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی بے ثباتی اور زوال کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، جبکہ اسلام کے اشتراکی نظام کی بنیاد ایک غیر متغیر اور مستحکم عقیدہ پر ہے ،اور تمام عقلی اصول ونظریات کا ابطال فرما کر اسلام کی بالادستی ثابت فرماتے ہیں ،اور جب آپ وحدت کے باب میں قلم اٹھاتے ہیں تو اس کی تحلیل کرتے ہوئے وحدت الٰہی ، وحدت نبوت ، وحدت کتاب ، وحدت دین ودنیا اور وحدت انسانیت کی قرآن وحدیث کی روشنی میں بہت جامع تشریح فرماتے ہیں ،اور ان لوگوں کے دعوؤں کو باطل قرار دیتے ہیں، جنہوں نے ان کی تخصیص اور تقسیم کی ہے،اسی طرح ایمانی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ قومی ،نسلی ،اور وطنی منافرتوں اور نفرتوں کو بیخ وبن کر کے عالمگیر اتحاد اور اخوت کی بنیاد ڈال سکے، وہ عقیدہ بن کر ہمارے نیک افعال کا محرک اور برے اعمال کا مانع بنے ، وہ ایک طرف بندوں میں اپنے خالق کے ساتھ گرویدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے تو دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور ادائے حق کا جذبہ بھی پیدا کرے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے ایک مضمون ''عرب وامریکہ'' میں یہ ثابت کر دیا

ہے کہ عرب امریکہ کو کولمبس سے پہلے ہی دریافت کر چکے تھے،اس طرح آپ کا سفر گجرات تاریخی اہمیت کی حامل ہے،اس میں آپ اس کی تاریخی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا ہے،عرب سے جو علماء دریا کے راستے ہندوستان آئے تھے،وہ پہلے یہیں اترے تھے،اس صوبہ کے سینکڑوں دیہات دین کے مصارف کے لئے وقف تھے،اخیر میں آپ کی ایک جامع تقریر ہے جو مشرقی پاکستان میں کی گئی تھی،جس میں آپ نے مسلمانوں کی تاریخ ان کے علوم وفنون اور تہذیب وتمدن پر روشنی ڈالی ہے،یہ کتاب علمی ذخائر میں ایک بڑا ذخیرہ ہے اور یہ کل ۲۳۵ رصفحات پر مشتمل ہے اور مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی (پاکستان) سے شائع کی گئی ہے۔

(۴۰) سلوک سلیمانی (اوّل،دوم):

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے افادات پر مشتمل یہ کتاب تین ابواب میں منقسم ہے:

(۱) اخلاص (۲) سلوک (۳) نماز

اس کے مرتب مولانا محمد اشرف سلیمانی (سابق صدر شعبہ اُردو، پشاور یونیورسٹی) ہیں اور یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

باب اوّل: اخلاص:

یہ ۸۵ رصفحات پر مشتمل ہے، جو اسلام میں اخلاص کی اہمیت کو بیان کرتی ہے اخلاص کے معنی ہیں: رضائے الٰہی کی طلب،قرآن میں ہے: مخلصين له الدين ۔

اخلاص کے بغیر اعمال مردہ ہیں،لہذا اخلاص اور ریاء کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے،اخلاص نام ہے خالق کی رضا کے لئے کام کرنے کا،اور ریاء نام ہے مخلوق کی رضاء کے لئے کام کرنے کا،ہم اس کی روشنی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کر سکتے ہیں،اسلام کی

تعلیم یہ ہے کہ جو بھی نیک کام کیا جائے ،اس کا محرک دنیاوی غرض نہ ہو، بلکہ اللہ کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو،اسی کا نام اخلاص ہے،مقصد یہ ہے کہ خدا کی اطاعت گزاری میں کسی دوسری چیز کو شریک نہ بنایا جائے، نبی ﷺ نے فرمایا: الریاء ھو الشرك الخفی کہ عبادت اور عمل کا پہلا رکن یہ ہے کہ وہ خالص خدا کے لئے ہو۔

باب دوم: سلوک:

یہ باب ۱۳۵ رصفحات پر مشتمل ہے،جن کا علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس باب میں معمولات کی پابندی کرنے کو استقامت کی دلیل بتایا ہے ،اس کے آثار اعمال، معاملات اور اخلاق میں نمایاں ہوتے ہیں،معمولات میں خاص طور پر تہجد اور نوافل اور ذکر واذکار کی کثرت سے پابندی کرنا،اور اگر کسی ضرورت کے تحت معمولات چھوٹ جائیں تو ان کو دوسرے اوقات میں پورا کرنا،معمولات کی پابندی،اور احکام الٰہی کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز کرنا ہی اصل چیز ہے،اپنے معمولات میں تا آخر دم استقامت کے ساتھ لگے رہنا ہی بڑی دولت ہے، ہر وقت زبان ذکر الٰہی سے رطب اللسان ہو۔

باب سوم: نماز:

یہ باب کل ۱۴۴ رصفحات پر مشتمل ہے،ان صفحات کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے، بقول مجدد سرہندیؒ: نماز اس عالم میں قرب الٰہی کا انتہائی مقام ہے،مومن کی زندگی جس قدر نماز سے متاثر ہوتی ہے اور کسی دوسرے عمل سے نہیں ہوتی ،نماز مومن کی زندگی کا آئینہ ہے،جس قدر نماز کامل ہوگی اسی قدر زندگی عبدیت کاملہ کے رنگ میں ڈوبی ہوگی ،علامہ سید سلیمان ندویؒ سیرت النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ نماز اسلام کی عبادت کا پہلا رکن ہے، جو امیر وغریب ، بوڑھے جوان، مرد وعورت سب ہی پر یکساں فرض ہے، یہی وہ عبادت ہے، جو کسی شخص سے کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی ،قرآن میں سو مرتبہ سے بھی

زیادہ اس کی تعریف اور اس کے حکم کی بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے، اس کے ادا کرنے میں سستی اور کاہلی نفاق کی علامت ہے اور اس کا ترک کرنا کفر کی نشانی بتائی گئی ہے، قرآن اور احادیث نبویہ میں نماز کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے متعدد الفاظ آتے ہیں: مثلاً صلوٰۃ، دعاء، تسبیح، اور ذکر الٰہی اور وہ الفاظ جو روحانی خصوصیات اور آداب کو ظاہر کرتے ہیں۔

صاحب کتاب نے نماز کی آٹھ خصوصیات بیان کی ہے:

(۱) اقامت صلوٰۃ:

نماز پڑھنے کے لئے قرآن میں جابجا اقامت صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس بناء پر نماز میں اطمینان اور خشوع وخضوع ملحوظ رکھا جائے، جس کے بغیر نماز ناقص ہے۔

(۲) قنوت:

نماز کے آداب باطنی میں دوسری چیز قنوت ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتا ہے: وقوموا للّٰہ قانتین۔

(۳) خشوع:

قرآن پاک میں نمازیوں کی صفت بیان کی گئی ہے: الـذین هم فی صلاتهم خاشعون خشوع کے لغوی معنی ہیں، آنکھیں نیچی ہونا، عاجزی اور تواضع ظاہر کرنا۔

(۴) تبتل:

تبتل کے اصل معنی کٹ جانے کے ہیں، اور اس کے اصطلاحی معنی خدا کے سوا ہر چیز سے کٹ کر صرف خدا کا ہو جانا، یہ ایک مسلمان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہے، قرآن میں ہے: واذکر اسم ربك و تبتل الیه تبتیلاً۔

(۵)تضرع:

اس کے معنی عاجزی کے ساتھ درخواست کرنے کے ہیں، اللہ پاک نے قرآن میں فرمایاہے :ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً

(۶)اخلاص:

نماز کے باطنی سنن وآداب کا اصل جوہر اخلاص ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو نماز نہیں، بلکہ ریاء اور نمائش ہوگی اور بعض اہل حق کے نزدیک تو شرک لازم آئے گا، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے: و أقیموا وجوهکم عند کل مسجد وادعوه مخلصین له الدین ۔

(۷)ذکر:

نماز خدا کی یاد کے لئے ہے، اگر دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور ہو، تو خدا کی حقیقی یاد نہ ہوگی، اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا: أقم الصلاة لذکر ی۔

(۸)فہم وتدبر:

نماز میں جو کچھ بھی پڑھا جائے، اس کے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے ،اگر بے پروائی کی وجہ سے دل معنی کی طرف متوجہ نہ ہوا تو اس سے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا، اسی لئے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :لا تقربوا الصلاة وأنتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون۔

بہر حال یہ اپنے موضوع پر یہ ایک نہایت منفرد اور انوکھی کتاب ہے، تحقیق واستدلال، سلجھا ہوا کلامی لہجہ ان کی تحریر کی روح ہے، مزید زبان وبیان کی چاشنی خشک موضوع کو بھی باغ وبہار بنادیتی ہے۔(۱)

---

(۱) تعارف تصنیفات کا یہ حصہ مطالعہ تصنیفات علامہ سید سلیمان ندوی انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے حذف واضافہ کے بعد لیا گیا ہے۔

باب سوم

علوم و افکار

علامہ سید سلیمان ندویؒ

کا قرآنی ذوق اور تفسیری مزاج

اسلامی علوم میں قرآن کریم منبع صافی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی سے سارے چشمے پھوٹتے ہیں، احادیث بھی اسی کی شارح اور خادم ہیں، قرآن کریم وہ بحر بیکراں ہے کہ اس میں ہزاروں سفینے ڈالے جائیں، پھر بھی اس کی تنگ دامانی کا شکوہ نہیں ہوگا، بلکہ "ھل من مزید" کی صدائے مسلسل آتی رہے گی، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسی اصل سے اپنا رشتہ جوڑا اور اسی ساحل سے اپنی کشتی حیات کو ایسا وابستہ کیا کہ اس نے انہیں کبھی ڈانواڈول ہونے نہیں دیا۔ اس کی شہادت ڈاکٹر اقبالؒ نے ان الفاظ میں دی ہے: ''سید صاحب علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد ہیں'' (۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ایک ہونہار شاگرد اور بین الاقوامی شہرت کے حامل عالم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھا ہے:

> ''عام طور پر لوگ سید صاحب کو مورخ، ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں، خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی سلسلہ سے ہے، لیکن مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے'' (۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اصل موضوع قرآن تھا، وہ جب بھی لکھتے تو ان کے شگفتہ قلم سے ایسے تابدار موتی نکلتے جو رشحات وشذرات کی حیثیت رکھتے اور بالفاظ دیگر وہ یہ کہنے کے لائق تھے کہ ع

آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآں کردم

---

(۱) مشاہیر کے خطوط بنام مولانا سید سلیمان ندوی: ۹۸ (۲) پرانے چراغ ۲/۵۸ اور دعوت فکر عمل: ۱۸۸

اور بقول مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی بن علامہ سلیمان ندوی ''وہ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ اصلی علوم تو بس قرآن وحدیث ہیں، تاریخ تو ہمارے دسترخوان کی چٹنی ہے جو منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے رہے''(۱)

الفاظ کے یہ دو بول اس عظیم شخصیت کی زبان سے نکلے جس نے اپنی زندگی کا پورا حصہ ان ہی دو سرچشموں (قرآن وحدیث) کی تفہیم وتشریح میں گزارا۔ وہ مردِ مومن ایک طرف جہاں فن سیرت کا ممتاز سیرت نگار، فن تاریخ کا بے مثال مؤرخ، لغت کا زبردست رمز شناس تھا، وہیں دوسری طرف قرآنیات کا اچھا ماہر اور اس کے نصوص کا بہترین ترجمان تھا، اس نے قرآن کو اپنی زندگی کا رہنما بنایا تھا، جو ہر موقع پر ان کی رہبری بلکہ دستگیری کرتا رہتا تھا، تاریخ ہو یا سیرت، ادب عربی ہو یا ادب اردو، نقد وتبصرہ ہو یا شعر وشاعری، ہر جگہ قرآنی اور مذہبی رنگ جھلکتا نظر آتا ہے، ایک مکتوب میں اپنے صدیق حمیم اور رفیق قدیم مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

> ''آپ گلہ کرتے ہیں کہ (معارف میں) مذہبی رنگ تیز ہے، لیکن میں نے آپ کو اور مولوی عبدالباری صاحب کو پہلے ہی تنبیہ کر دی تھی کہ اگر مشرقیات کا جلوہ اس میں زیادہ روشن ہے تو یہ ''عاشقانِ مغربیت'' کا قصور ہے، اب بھی رحم فرمایئے''(۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے قرآن کریم کے مطالعہ کو اپنے روز وشب کا مشغلہ بنالیا تھا، یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے باقاعدہ کوئی تفسیر نہیں لکھی، لیکن دوران تلاوت اپنے خاص نسخۂ قرآن پر حواشی ضرور رقم کئے اور علمی نکات بھی تلاش بسیار کے بعد نکالے، آیتوں کے عمود کی توجیہ کی، اور علوم قرآن سے متعلق پر مغز مقالات لکھے، جغرافیۂ قرآن پر سیر حاصل بحث کی، قرآنیات سے متعلق ان کی علمی تحقیق اتنی نہیں ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے، لیکن آپ نے قرآنی آیات سے متعلق جو کچھ بھی تحریر کیا وہ تمام مفسرین ہند میں اپنی مثال آپ ہے اور ما قل ودل کا حقیقی مصداق بھی۔

---

(۱) مجلّہ ذکر فکر نئی دہلی مضمون ''قرآن اور فہم سلیمان'' از مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی

(۲) مکتوبات سلیمانی ج ۱/۵۸

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی محسن کتابوں میں ابن خلکان (۶۰۸ھ – ۶۸۱ھ) کی کتاب وفیات الاعیان بھی ہے، ابن خلکان اس نظریہ کے حامل تھے کہ العبرة بالقيمة لا بالقامة ، بقامت کہتر بقیمت بہتر، یہی وجہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہاں تصانیف کی بہتات نہیں۔لیکن جو کچھ بھی ہے وہ تحقیقی دنیا کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا درس قرآن:

قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اور ہر خاص وعام کے رابطہ کو اس چشمۂ حیواں سے جوڑنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دروس قرآن کے حلقے قائم کرنے کے تعلق سے سوچا، آپ کا یہ سوچنا محض نظریاتی نہیں رہا، بلکہ اس کا عملی اظہار بھی تادم حیات کرتے رہے، ان دروس قرآن میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زبان سے جو موتی باران رحمت کے چھینٹے اور قطرے کی طرح ٹپکے ان سے تشنہ کامان انسانیت کو حیات جاودانی کا درس ملا، آپ کا ذاتی ارادہ تھا کہ عام مسلمانوں تک قرآنی پیغام پہنچانے کے ساتھ نئی نسل کو بھی اس سے روشناس کرایا جائے، آپ کی دلی تمنا تھی کہ:

> ''قدیم درس گاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ اور جدید کالجوں کے ایسے تعلیم یافتہ طلبہ جنھوں نے عربی یا اسلامیات میں ایم اے کیا ہو، اور جن کو علوم دین سے شغف بھی ہو، ان دونوں قسموں کے طلباء کو ملا کر ایک باضابطہ درس کا سلسلہ قائم کیا جائے، جس میں صرف علوم قرآنی کی اعلیٰ تعلیم اور کلام اللہ سے استفادہ کے طریقوں کی تفہیم کی جائے''(۱)

چنانچہ آپ نے دوران قیام دیسنہ بہار، دارالمصنفین اعظم گڑھ، بھوپال اور پاکستان میں اس سنہرے سلسلہ کو جاری رکھا اور علم قرآن کے جویا افراد کے لئے الٰہی اور نبوی غذا فراہم کی، ایک مرتبہ مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ اور ان کے ساتھیوں کو بڑے درد کے ساتھ مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگ تاریخ کے لئے کہتے ہیں، قرآن پڑھنے کے لئے

(۱) تذکرہ سلیمان مرتبہ عبدالقوی دسنوی ص:۲۲۴

کیوں نہیں کہتے ؟! علامہ سید سلیمان ندوی کے درس قرآن کا انداز یہ تھا کہ جو آیت زیر درس ہوتی، اس مفہوم کی تمام آیات کو جمع فرماتے پھر تمام آیات کو سامنے رکھ کر سیاق وسباق کا لحاظ فرماتے ہوئے مفہوم متعین فرماتے اور اس کو سنت اور اقوال سلف سے مدلل فرماتے۔

اس کا اثر یہ تھا کہ آپ کی گفتگو ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی مصداق تھی، سامعین ایستادہ کھڑے اور بیٹھ کر درس سنتے، اور ان کے علمی انداز سے لطف اٹھاتے، علامہ سید سلیمان ندویؒ دقیق اور عمیق مسائل چٹکیوں میں حل فرماتے، انہوں نے علوم قرآنی کے عام کرنے کے اس سلسلہ کو اپنی زندگی کا ماحصل بتایا ہے، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بحمد اللہ کہ صبح کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ ایک مسجد میں درس قرآن ہوتا ہے، سو دو سو سامعین ہوتے ہیں جن میں بعض افسران بھی ہوتے ہیں، یہی زندگی کا ماحصل ہے'' (۱)

آیات قرآنی اور فہم سلیمانی: چند نمونے:

مفسرین اور ماہرین قرآنیات کے یہاں تفسیری مباحث کو متعین کرنے کے سلسلہ میں ایک اصول رہا ہے کہ خود قرآن کریم کی آیات کو اس کے مثل دوسری آیات کی روشنی میں دیکھا جائے۔ قرآن نے ایک واقعہ کو کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان کیا ہے، اسی کو اصطلاح تفسیر میں ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کہا جاتا ہے۔ پھر قرآنی آیات کے ذریعہ وضاحت کے بعد حدیث شریف کے ذخیرے اور کلام عرب کے استعمالات کی طرف رجوع کیا جائے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہ اصول اپنے پیش نظر رکھا۔ ڈاکٹر سید سلمان ندوی رقمطراز ہیں:

> ''والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سلسلہ شروع فرمایا تھا کہ قرآن کی آیتوں کی تفسیر حدیثوں سے کی جائے یا جو معنی ومطلب قرآن کی آیت میں ادا ہوتا ہے اس معنی ومطلب کی حدیثیں ان آیات کے ذیل میں جمع کر دی

(۱) مطالعہ سلیمان مرتبہ غلام محمد صاحب: ۴۳

جائیں تا کہ معلوم ہو کہ قرآن پاک متن ہے اور احادیث نبویہ اس کی شرح ہیں۔''(۱)

قرآن کی تفسیر حدیث کی روشنی میں:

ذیل میں سورۂ احزاب کی آیت ۶ نقل کر کے علامہ سید سلیمان ندویؒ کا منہج تفسیر ذکر کیا جارہا ہے:

"اَلنَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ،وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ" نبی کو مومنین کے ساتھ ان کے نفسوں سے زیادہ تعلق ہے،اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔اس آیت پر حاشیہ میں سورۂ توبہ کی آخری مشہور آیت "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ" کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور پھر حسب ذیل حدیث تحریر فرمائی ہے:"لایومن أحدكم حتی أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين" تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک کہ میں اس کے والدین،بچوں اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔(۲)

ترجمۂ قرآن میں مہارت:

اللہ تعالیٰ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو منجملہ تمام خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی عطا فرمائی تھی کہ انہیں اردو زبان وادب پر مکمل عبور تھا،چنانچہ جب بھی آپ کا اشہب قلم چلتا تو اس سے علم وعرفان کے موتی جھڑتے۔اس سلسلہ میں آپ کی اردو وعربی شاعری، ادبی مضامین،مطبوعہ اور قلمی تحریریں سند جواز فراہم کرنے کے لئے کافی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جہاں کہیں بھی اپنی تحریروں میں قرآن کریم کی آیتیں نقل کی ہیں ان کا ترجمہ کسی مفسر یا مترجم کے ترجمۂ قرآن سے نقل نہیں کیا ہے،بلکہ اپنے علم وبصیرت اور

(۱) مجلّہ ذکر وفکر ص:۱۶ (۲) مجلّہ ذکر وفکر ص:۱۶

وسیع مطالعہ کی روشنی میں خود اس مہتم بالشان کام کو انجام دیا ہے، ذیل کی مثال ملاحظہ ہو:

" مـــا كـــان لبشـــر " کے ترجمہ میں علامہ موصوف نے جس لسانی قوت کا لحاظ رکھا ہے وہ ذیل میں مذکور ہے:

مَـاكَـانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّاوَحْياً أَوْمِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًافَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَاءُ ،اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ. (شوری: ۵۱)

اورنہیں طاقت کسی انسان کو کہ بات کرے اس سے اللہ (شاہ عبدالقادرؒ)

کسی کی یہ شان نہیں کہ حالت موجودہ میں اللہ اس سے کلام فرمائے۔ (تھانویؒ)

کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اس سے کلام کرے۔ (دیوبندیؒ)

ان ترجموں پر ایک نظر ڈالئے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کا یہ ترجمہ پڑھئے:

''اور کسی انسان کی یہ تاب نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے۔''(۱)

سید صاحب نے ترجمہ میں ''تاب'' کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ''طاقت'' ''مرتبہ'' ''شان'' سے عظیم تر ہے، اس مثال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کس قدر زبان کے نوک پلک سے واقف تھے، یہ حقیقت ہے کہ جس طرح علمائے متاخرین نے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ کو ''الہامی'' قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فٹ نوٹ اور منتشر ترجمہ و علمی نکات کو موہوبی ترجمہ و تفسیر کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اسی کی شہادت مولانا شاہ معین الدین ندویؒ اس طرح دیتے ہیں:۔

''قرآنی علوم پر جب کوئی مضمون لکھتے تو معلوم ہوتا کہ ان کے علم و فن کے شالیمار میں قرآن پاک کی آیتوں کی نہر بہشت بہ رہی ہے۔''(۲)

مقاطع آیات:

علامہ سید سلیمان ندویؒ مقاطع آیات میں مذکور اللہ کے اسماء وصفات کو بہت اہمیت دیتے تھے اور ان سے سابق کے مدلولات کی وضاحت کرتے تھے، بعض دفعہ ایسے نکتے اور

(۱) سیرت النبی ج ۴/۴۵ (۲) مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ج ۱ ص ۷

پیچیدہ مسائل جوامت میں موضوع بحث تھے اور جن کے انکار سے عقیدۂ اسلامی پر ضرب آتی تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی وسیع النظری اور عمیقانہ تدبر سے آیات کے فواصل کی ایسی دلنشیں تشریح فرمائی جس طرح کی تفسیر متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے نہیں کی، مثال کے طور پر قرآن کریم کی سورۂ نساء کی آیت'' وَمَاقَتَلُوْهُ يَقِيْناً بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً'': (۱۵۸)

اس آیت کریمہ کے آخری جزء پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے:

"كونه عزيزا حكيما،يقتضى أن يكون الرفع أمراعظيما" (اللہ تعالی کی صفت غلبہ وحکمت کا ذکر اس کا مقتضی ہے کہ رفع الی السماء ایک عظیم کام تھا) اگر طبعی موت کا واقعہ ہوتا تو یہ بات سنت عادیہ تکوینیہ کے نوع میں آتی، اس میں غلبہ وقدرت کا اظہار نہیں کیا جاتا۔ یہ کام ایک مافوق الطبیعیاتی کرشمہ کی طرح پیش آیا ہے۔

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سید صاحب کا یہ استدلال اس جگہ پر ٹھوس اور نا قابل انکار ہے، اس کے ساتھ علوم قرآن کے طالب علموں کے لئے ایک فتح باب بھی ہے، جس سے مطالعہ قرآن کی ایک راہ کھلتی ہے۔''(۱)

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے امام طبری (م ۳۱۰ھ)، امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) امام زمخشری (م ۱۸۱۵ء) قاضی بیضاوی (م ۷۹۱ھ) اور امام ابن کثیر کی تفاسیر سے سابق الذکر مقطع الآیت کی تفسیر کا مراجعہ کیا، کسی نے بھی اس طرح اشارۃً یا دلالۃً وضاحت نہیں کی ہے۔ صرف ''روح البیان'' کے مولف شیخ اسماعیل حقی نے اسماء وصفات کو رفع سے متعلق کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تفسیر سے قریب تر ہیں۔ شیخ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

"وكان الله عزيزا حكيما لايغالب فيمايريده فعزة الله عبارة

(۱) افکار سلیمانی ۳۶ (مضمون بعنوان علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی بصیرت)

عن كمال قدرته، فان رفع عيسى عليه السلام إلى السموات وان كان متعذرا بالنسبة إلى قدرة البشر، ولكنه سهل بالنسبة الى قدرة اللّٰه تعالى لايغلبه أحد" (۱)

حقی کہتے ہیں کہ الرفع إلى السماء بشر کے لئے ناممکن مگر اللہ تعالی کے لئے ممکن تھا اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو تسلیم شدہ ہے کہ موت دینا یا زندہ اٹھالینا دونوں بشر کے لئے ناممکن اور اللہ کے لئے آسان ہے، مگر یہاں پر لفظ عزیز بتا رہا ہے کہ اللہ تعالی کی اس قدرت کا اظہار ہے جو خود اس کی سنت تکوینی یا طبیعیاتی نظام کے ماورا ہے۔

آیات قرآنی کا باہمی ربط:

قرآن پاک کی آیات ایک دوسرے سے مربوط ہیں یا علاحدہ ہیں، یہ موضوع بھی علمائے تفسیر کے یہاں مختلف فیہ رہا ہے، امام رازیؒ اور امام بقاعیؒ نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور دوسرے علماء نے بھی اس میں بہت غور وخوض کیا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ کو بھی قرآن کی آیات کے باہمی ربط کا خاصا خیال تھا، اسی وجہ سے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

''قرآن پاک کے علوم میں سب سے زیادہ دقیق اور نازک علم آیات اور سور کے باہم ربط وتعلق کا ہے''۔(۲)

اس لطیف ونازک ربط کی طرف علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے حواشی قرآنی میں جابجا اشارہ کیا ہے۔ مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی رقمطراز ہیں:۔

''سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ ملاحظہ فرمائیے:

(لَقَدْأَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَامَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے

(۱) روح البیان ج ۱/۷۰۵ (۲) ترجمہ قرآن مولانا احمد علی لاہوری

ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔

اس آیت میں کتاب و میزان کے ساتھ لوہے کا ذکر جو بظاہر بے جوڑ محسوس ہوتا ہے، اس کی تفسیر بہتیرے مفسروں نے کی ہے اور بعض نے لوہے سے سیاسی و جنگی طاقت مراد لی ہے۔ ہمارے والد ماجد کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے چند لفظوں میں کیا بلیغ بات فرمادی ہے، فرماتے ہیں:

"طریقان لإقامة القسط أولهما:الكتاب والميزان ، وثانيهما الحديد یعنی عدل وانصاف کا قیام دو ذرائع سے ہوتا ہے: پہلا قرآن اور انصاف کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے، جو ظاہر ہے کہ خدا اور اس کے سامنے جواب دہی کے احساس سے حاصل ہوتا ہے، لیکن انسان کی فطرت کو دیکھتے ہوئے یہ بھی معلوم ہے کہ احساس مسؤلیت پر غفلت بھی غالب آجاتی ہے، ان اہل غفلت کی اصلاح کے لئے قوت کا استعمال کرنا پڑتا ہے ، وہ قوت چاہے انفرادی ہو یا حکومتی۔ بس اب کتاب و میزان کے ساتھ حدید (لوہے) کا تعلق واضح ہو گیا اور وہ عدل وانصاف کا دوسرا ذریعہ ہے۔"(۱)

عمود قرآن:

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ کے یہاں سورتوں کے عمود کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام ہے، آپ نے قرآن پاک کی سورتوں کا مطالعہ کیا اور اس کے مرکزی مضمون کی وضاحت چند لفظوں اور سطروں میں کی، جن سے دیگر مضامین سورت کے سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے، شاید ان کی یہ سوچ قرآن کریم کے اس آواز پر لبیک کہنے کا نتیجہ ہو جو لَعَلَّكُمْ

(۱) مجلّہ ذکر وفکر: ۱۸

تَـذَكَّـرُوْنَ ، لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ کی شکل میں موجود ہے۔
علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء جس کو بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے، لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورت معراج کے اسرار وحقائق، نتائج وغیرہ اور احکام واعلانات سے معمور ہے''۔(۱)

مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی لکھتے ہیں:

''سورۂ ہود کی ابتدا میں تحریر فرمایا ہے کہ هذه السورة تسلية للنبى صلى الله عليه وسلم یعنی یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلاسے کے لئے نازل فرمائی گئی''(۲)

اس سورت کے مشمولات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مختلف انبیاء کو اپنی اپنی قوموں میں جن مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تسلی رہے کہ قریش نے جن مشکلات ومسائل کی آپ پر بوچھار کی ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ سارے انبیاء علیہم السلام نے وہ تکلیفیں برداشت کی ہیں، کسی کو زدوکوب کیا گیا، کسی کو مارا گیا، کسی کو آرے کے ذریعہ چیر کر تکا بوٹی کر دیا گیا، اور کسی کے ساتھ سب وشتم کا معاملہ روا رکھا گیا۔ غرض نوع بنوع کے مسائل میں ان کو الجھایا گیا تاکہ وہ کار دعوت سے باز آئیں۔

تحقیق الفاظ کی ندرت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کو خلاق ازل نے پاکیزہ تحقیقی ذوق عطا فرمایا تھا، وہ نصوص واصول کی مراجعت کے قائل اور مفردات والفاظ کی تحقیق کے داعی تھے، ان کی تمام تحریروں

(۱) سیرت النبی ج ۳/ ۲۴۶ (۲) مجلّہ ذکر وفکر: ۱۸

بالخصوص ارض القرآن میں یہ وصف پورے جمال وکمال کے ساتھ موجود ہے، ایک لفظ ''شرح صدر'' کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:۔

''شرح کے لغوی معنی عربی میں چیرنے پھاڑنے کے ہیں، اسی سے طب کی اصطلاح علم تشریح اور تشریح اجسام نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہوجاتی ہے، اس لئے اس سے تشریح امر اور تشریح کلام، شرح بیان اور شرح کتاب وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوتے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ شرح صدر کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی : "ربّ اشرح لي صدري." (۱)

اسی طرح انہوں نے اعلام القرآن عرب، عاد، ثمود، مدین، حنیف، لات، عزیٰ، مناۃ، ہبل، سواع، یعوق، یغوث، نسر وغیرہ کی اطمینان بخش تحقیق کی ہے اور مراجع ومصادر سے اس کی اصل کو واشگاف کیا ہے۔ نیز اصطلاحات قرآن خواہ شعبہ عبادات سے متعلق ہوں یا اخلاقیات سے، معجزات سے متعلق ہوں یا معاملات سے، ان کے مصادر کی لغت کی روشنی میں وضاحت کی ہے، قرآنی الفاظ کے معانی متعین کرنے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے استقراء سے بھی بہت زیادہ مدد لی ہے وہ ایک لفظ کے تمام مواقع استعمال اپنے پیش نظر رکھتے ہیں اور اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نکات قرآنی:

قرآنی آیات سے نکات وبدائع کے استخراج میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کو جو کمال حاصل تھا وہ ان کے معاصر علماء میں نایاب ہے، انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے دو

(۱) سیرت النبی ج ۳/۲۷۱

نکات نکالے ہیں:

(۱) یہاں رحمٰن اور رحیم بدل معنی کے طور پر ہیں۔

(۲) اس میں عیسائیوں کے اعتراض کا جواب بھی آ گیا جو مسلمانوں کے خدا کو محض جبار وقہار بتاتے تھے۔(۱)

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''سید صاحب نے فرمایا کہ ''الرحمٰن الرحیم'' لفظ جلالت کا بدل معنی ہے، اس کی طرف کسی کی نظر نہیں گئی تھی۔ اور جو لوگ عربی نحو سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کی قدر کریں گے کہ بدل معنی نے مفہوم کو کس قدر بلند کر دیا اور کس درجہ پڑھنے والے کو قرآن کریم کی عظمت کا احساس ہوا'' (۲)

قرآن کریم میں اوقات نماز سے متعلق جو آیتیں آئی ہیں، ان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کے اوقات کہیں مجمل اور کہیں مفصل ہیں کہیں تو دونوں کو ایک لفظ "قبل الغروب" یا "أصيل" یا "طرف النهار" کہہ کر بیان کیا گیا ہے، مثال کے طور پر سورۂ ق کی یہ آیت پڑھئے: (فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْد) (پس ان مخالفوں کے کہنے پر اے رسول صبر کر اور آفتاب کے نکلنے سے پہلے (صبح) اور اس کے ڈوبنے سے پہلے (عصر) اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کر، اور کچھ رات گئے (عشاء پر) اس کی تسبیح کر اور آفتاب کے سجدہ کرنے کے بعد یعنی غروب کے بعد (مغرب کے وقت) اس کی تسبیح کر)۔

سورۂ روم میں ارشاد باری ہے: (فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۔) (اور اللہ کی تسبیح کرو جب شام (یا رات) کرو اور جب صبح کرو، اور اس کی حمد آسمان اور زمین میں ہے اور اخیر دن کو اس کی تسبیح کرو اور جب ظہر کرو) مؤخر الذکر آیت میں شام کی نماز (مغرب وعشاء)

(۱) نکات سورۂ فاتحہ: مرتبہ مولانا محمد اویس ندوی ص:۴ (۲) ماہنامہ تعمیر حیات ۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء

کے بارے میں "حین تمسون" فرمایا گیا ہے۔اس اجمال پر غور کرنے سے علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ایک عجیب نکتہ حل ہوتا ہے اور لطیف اشارہ ملتا ہے، فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ دونوں مل کر ایک بھی اور علیحدہ بھی ہیں، اسی بنا پر کسی اشد ضرورت اور سفر کی بے اطمینانی کے وقت ظہر وعصر کو ایک ساتھ اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ ملا کر ادا کر سکتے ہیں، اور صبح کی نماز چونکہ ہر آیت میں ہمیشہ علیحدہ ذکر کی گئی ہے، اسی لئے اس کا کسی دوسری نماز سے ملانا جائز نہیں ہے، احادیث میں جمع بین الصلوتین کے عنوان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی مثالیں اس نکتۂ قرآنی کی تشریح میں موجود ہیں۔''(۱)

مستقل تصنیفات میں ارض القرآن اور مقالات سلیمان جلد سوم، سیرت النبی اور دیگر کتابوں میں بکھرے ہوئے تفسیری جواہر پارے ہیں، جو آپ کے قرآنی ذوق کی بہترین دلیل ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی قرآنی خدمات کا یہ تھا مختصر تذکرہ۔اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو کس طرح اپنی زندگی میں منتقل کیا اور ہر لمحہ اس کی خدمت وذمہ داری کے لئے تیار رہے، تادم حیات وہ قرآن مجید کا درس دیتے رہے، انتقال مکانی نے ان کے مزاج میں استحکام اور مزید پختگی پیدا کی، قارئین علامہ موصوف کی تصنیفات اور مکاتیب میں بعض ایسے نمونے بھی پائیں گے جن سے انہیں اندازہ ہوگا کہ انہوں نے عام گفتگو اور عمومی بول چال میں کس طرح قرآن کی آیت کو بلاتکلف استعمال کیا اور روزمرہ کی زندگی کے الجھے مسائل سلجھائے، یہ اور دیگر تفصیلات راقم کی مرتب کردہ کتاب ''علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات'' دو جلدوں میں مطبوعہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ میں موجود ہیں۔

---

(۱) سیرت النبی ج۵ص۳۷

علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علم حدیث

علامہ سید سلیمان ندویؒ علم حدیث اور اس کے رجال کے بڑے عالم تھے، حدیث شریف کی بنیادی تعلیم انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، اور اس میں کمال پیدا کیا، دوران طالب علمی انہوں نے حدیث شریف کی اعلی کتابوں کی تعلیم کے دوران ان کی شروح وحواشی کا مطالعہ کیا، فتح الباری شرح صحیح بخاری کا مطالعہ اتنی کثرت سے جاری رکھا کہ بقول مولانا شاہ معین الدین ندویؒ: ''فن حدیث کا خاص ذوق پیدا ہو گیا، درسی کتابوں کے علاوہ عجالہ نافعہ، بستان المحدثین، تذکرہ الحفاظ کا بھی مطالعہ کر لیا تھا، جس سے رجال پر گہری نظر تھی'' (۱)، علامہ سید سلیمان ندویؒ فن حدیث کی کتابوں میں مؤطا امام مالک کو بہت پسند کرتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۰۵ء میں ماہنامہ الندوہ میں ایک مضمون علم حدیث پر لکھا، جو بہت پسند کیا گیا، اور اس مضمون کے شائع ہوتے ہی مولانا الطاف حسین حالی نے علامہ شبلی کو خط لکھا: ''سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ دار العلوم نے اپنی تعلیم کا نہایت عمدہ نمونہ پہلی ہی بار پیش کیا، فبارك الله فيها وفي طلبتها وفي تعليمها ، مجھے امید نہیں، بلکہ یقین ہے کہ عربی کی کامل تعلیم اور انگریزی کی بقدر ضرورت ہماری قوم میں ایسے لائق مضمون نگار اور مصنف پیدا کرے گی کہ محض انگریزی تعلیم آج تک ویسا ایک بھی نہیں پیدا کر سکی'' (۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی حدیث شریف کی اسناد بہت عالی تھیں، انہوں نے مایہ ناز اساتذہ سے حدیث شریف کی سند حاصل کی، جن میں مولانا حفیظ اللہ بندوی وغیرہ ہیں، ان کے علاوہ شیخ عمر حمدان محرسی (حرمین شریفین کے محدث کبیر) سے بھی روایت حدیث حاصل کی، صحاح ستہ کی اسناد کا تذکرہ مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے اپنی عربی تصنیف

(۱) حیات سلیمان: ۶۷۴ (۲) حیات شبلی: ۴۴۰۔۴۴۲

''السید سلیمان الندوی أمیر علماء الھند فی عصرہ''میں تفصیل سے کیا ہے۔

علم حدیث میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کا موقف ان کی اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے، جوانہوں نے ابو یحی امام خان نوشہری کی کتاب کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے:

''میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں، اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا جانتا ہوں، اور حق کو ائمہ سلف میں سے کسی ایک میں منحصر نہیں جانتا، اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھیں۔''(۱)

خدمت حدیث کی متعدد جہات:

علم حدیث سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو خاص شغف تھا، انہوں نے عام گفتگو میں کئی بار اس جملہ کو دہرایا کہ ''اصل علوم تو قرآن وحدیث ہیں، تاریخ ہمارے دستر خوان کی چٹنی ہے''(۲)، یہی وجہ ہے کہ اپنی تصنیفات کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھی ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فن حدیث کی جن کتابوں سے کثرت سے استفادہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل، مصنف عبدالرزاق، مسند البزار، مسند ابن الجارود، الادب المفرد، سنن دار قطنی، صحیح ابن خزیمہ، معجم طبرانی، صحیح ابن حبان، سنن الدارمی، سنن بیہقی، مشکاۃ المصابیح، کنز العمال، نیل الأوطار۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے دار المصنفین کے ترجمان ماہنامہ معارف میں علم حدیث کے متعدد پہلوؤں سے متعلق مضامین شائع کئے، ان کو متعدد جہات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان سے ان کی حدیث فہمی کے اہم گوشوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے:

(۱) معارف نے ایک طرف حجیت حدیث کے موضوع کو پوری طرح واضح کیا ہے۔

(۲) وہیں دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف مثبت قانونی چارہ جوئی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

---

(۱) مقدمہ کتاب (۲) روایت ڈاکٹر سید سلمان ندوی بن علامہ سید سلیمان ندوی

(۳) سوانح محدثین واعلام امت کے ذریعہ صاف ستھری سیرت پیش کی ہے۔

(۴) تدوین حدیث کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۵) اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور علم العلل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

(۶) مخطوطات حدیث کا تعارف کرایا ہے۔

(۷) مطبوعہ کتب حدیث پر بہت ہی جامع تبصرے شائع کئے ہیں۔

(۸) خاص طور سے برصغیر میں علم حدیث کا ایک جامع خاکہ پیش کیا ہے۔

ویسے معارف نے حدیث وسنت کے عنوان سے ۶۵/موضوعات پر بیش قیمت مقالات پیش کئے ہیں، رہی بات محدثین کی سیرت وسوانح کی تو ان کی فہرست طویل ہے۔ یہ وہ جلی عنوانات ہیں، جن کی طرف ماہنامہ معارف کی توجہ رہی، ذیل میں انہی عنوانات پر کسی قدر تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں:

حجیت حدیث یا فتنۂ انکار حدیث:

حدیث اور سنت کا موضوع شروع ہی سے تقدس واحترام کا حامل رہا ہے، اور اس کی اہمیت شرعی لحاظ سے خاصی بڑھی ہوئی ہے، اور بلاشبہ حدیث حجت شرعی ہے، لیکن بیسویں صدی عیسوی میں بعض نام نہاد اصحاب قلم نے جب بے وزن باتیں کیں تو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سنت کے عنوان سے معارف اگست ۱۹۲۹ء اور جولائی ۱۹۳۰ء میں ایک سلسلہ وار مضمون لکھا، اور اس میں ان کے تمام ہفوات کو تار عنکبوت کی طرح بکھیر دیا۔

احادیث قرآن سے ماخوذ ہیں:

حدیث شریف کی قطعیت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''بہت سے علمائے محققین کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ احکام واخلاق کے متعلق صحیح احادیث میں جو کچھ ہے وہ تمام تر قرآن سے مستنبط

وماخوذ ہے، اور چونکہ وہ خود صاحب وحی کا بتائید الٰہی وبشرح ربانی استنباط ہے، اس لئے بشرط ثبوت وہ بھی یقینی اور واجب التعمیل ہے'' (۱)

حدیث اور سنت کا فرق:

ایک دوسرے موقع پر علامہ سید سلیمان ندویؒ حدیث اور سنت کا فرق واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل لوگ عام طور سے حدیث وسنت میں فرق نہیں کرتے، اور اس کی وجہ سے بڑا مغالطہ پیش آتا ہے، حدیث تو ہر اس روایت کا نام ہے جو ذات نبوی کے تعلق سے بیان کیا جائے، خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو، مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے، یعنی آنحضرت ﷺ نے خود عمل فرمایا، آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا، پھر تابعین نے کیا، گو یہ زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں، مگر عملاً متواتر ہے، اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہو، اس لئے وہ متواتر نہ ہو، مگر اس کی عام کیفیت متواتر ہو، اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے''۔

لفظ سنت کی تحقیق اور معترض سنت کا تشفی بخش جواب:

سنت کا لفظ عربی ہے، جس کے معنی طریقہ کے ہیں، سنت کا مقابل لفظ بدعت ہے، جس کے معنی نئی بات کے ہیں، اور اصطلاح میں سنت وہ طور طریق جو آنحضرت ﷺ کا تھا، اور بدعت کے معنی ہیں اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ ہو کر اپنے لئے کوئی نئی راہ عمل اختیار کرنا۔ اسی لئے پہلی چیز ہدایت اور دوسری چیز ضلالت ہے۔

لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زمانہ میں ماہنامہ نگار لکھنؤ کے مدیر نے ایک ایسی تحقیق پیش کی، جو حقیقت کے بالکل خلاف تھی، انہوں نے دعوی کیا ہے: ''سنت کا لفظ عبرانی ''مسناۃ''

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ: ۱۳۶

سے نکلا ہے، یہودیوں نے توراۃ کو چھوڑ کر اس قسم کے مجموعہ روایات کو اپنا ماخذ بنالیا تھا، جس کو وہ مسناۃ کہتے تھے، اسی طرح مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو اپنا ماخذ بنایا ہے اس کا نام بھی اسی لفظ مسناۃ سے لے کر سنت بنالیا ہے''۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ اس تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افسوس ہے کہ یہ تحقیق انیق ہر قسم کے اندرونی و بیرونی اسلامی وافرنگی، عربی وعبرانی تحقیقات کی ٹکسال سے باہر ہے، اور ایسا دعوی کرنا اہل علم کی نگاہوں میں اپنی حقیقت کو عریاں پیش کرنا ہے۔ عبرانی لفظ مسناۃ ''س'' سے نہیں ہے، بلکہ ''ث'' سے ہے، یعنی جو عربی میں مثنی اور اثنین اور تثنیہ کی صورت میں ہے، اس کے لفظی معنی دو کے ہیں، یا مکرر اور دوہرائے ہوئے کے ہیں، مثناۃ تورات کی پانچویں کتاب کا نام ہے، جس کو آج کل عربی میں تثنیہ کہتے ہیں، اور غلطی سے اس کا ترجمہ استثناء کر دیا گیا ہے، انگریزی میں اس کا ترجمہ ڈیوٹرونومی ہے، جس کے لفظی معنی وہی مثنیٰ اور مکرر کے ہیں، توراۃ کے وہ قوانین جو پچھلی کتابوں میں مذکور ہیں، اس کتاب میں ان کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ مرتب اور مدون کر کے پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام مثناۃ یا تثنیہ یا مثنی اور مکرر کہا گیا ہے، غور کیجئے اس مثناۃ کے لفظ کو سنت سے کیا تعلق ہے؟ سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں، لیکن بول چال میں اس کے معنی اس طریقہ عمل کے ہیں، جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔''(۱)

برصغیر اور علم حدیث:

ہندوستان اور عرب کے تعلقات اگرچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم ہو گئے تھے، لیکن ۹۳ھ میں ہندوستان میں باضابطہ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اور تین صدیوں

(۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ: ۱۴۲

تک یہ سلسلہ رہا، ۱۵۹ھ میں خلیفہ مہدی کے زمانہ میں پہلے محدث ربیع بن صبیح السعدی البصری ہندوستان آئے، اور انہی کے معاصر حباب بن فضالہ ہیں، اور اسی دوران ابومعشر نجیح سندھی اور رجاء السندی تشریف لائے، درۂ خیبر سے آنے والوں میں شیخ اسماعیل اور محدث حسن بن محمد صغانی ہیں۔

یہ اور اس طرح کی بنیادی تفصیلات ہیں جن کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستان میں علم حدیث کے عنوان سے نقل کئے ہیں، اور ہندوستان میں علم حدیث کے ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، سلاطین گجرات اور علم حدیث، فرنگی محل اور علم حدیث، صوبہ بہار اور علم حدیث، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ کا تذکرہ بالاستیعاب کیا ہے۔

یہ مضمون معارف میں اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا، اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی ''توقع سے زیادہ لوگوں نے دل چسپی، اور علماء و تعلیم یافتہ دونوں جماعتوں نے اس کو پسند کیا، اور اس کی تکمیل و تصحیح میں حصہ لیا، بیرون ہندوستان تک سے اس کی مزید فرمائش جاری ہے۔''(۱)

منصوص مسائل میں جمہور کے مسلک کی رعایت:

قرآن وحدیث شرعی احکام ومسائل کے سرچشمہ ہیں، انہی سے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے آداب ماخوذ ہیں، ان کی حیثیت قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت کی ہے، اور منصوص مسائل اسلام کے تکمیلی مشن کا حصہ ہیں، لیکن منصوص مسائل میں ادھر شاذ اقوال کو بنیاد بنا کر ردوقدح کرنے کا رجحان آ گیا ہے، جس سے اسلام کے وہ ثابت شدہ قوانین جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، ان پر ضرب آتی ہے، اس سلسلہ میں منصوص مسائل میں معارف کے بانی مدیر کا یہ نقطۂ نظر رہا ہے کہ انہوں نے جمہور کے مسلک کا لحاظ رکھا ہے، اور

(۱) معارف اکتوبر ۱۹۲۹ء

اسی کو ترجیح دی ہے، اگر چہ ان کے قلم سے بعض تسامحات کا صدور ہوا، جن سے انہوں نے رجوع کیا اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک لائحہ عمل دے دیا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین رحمھم اللہ کے مسلک سے علاحدگی نہ ہو۔''(۱)

مزید آگے لکھتے ہیں:

''اب بحمد اللہ کہ اس باب میں جمہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آ گیا ہے وما توفیقی الا باللہ۔''(۲)

سیرت النبیؐ میں احادیث نبویہ کا ذخیرہ:

سیرت النبی علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مشترکہ تصنیف ہے، ابتدائی دو جلدیں علامہ شبلی نعمانیؒ نے تصنیف کی ہیں، اور آخری پانچ جلدیں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے، آخری جلدوں میں معجزات، ایمانیات وعقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات کا تذکرہ ہے، ان مباحث میں حدیث شریف کا معتد بہ حصہ ہے، جس سے موضوعات کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے، ان مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فن حدیث اور اس کی باریکیوں پر کس قدر گہری نظر تھی، اور وہ اس کے علوم ومعارف سے کس قدر واقف تھے، اگر ان کی روشنی میں ان کی حدیث فہمی پر مستقل کام کیا جائے تو بحث وتحقیق کا نیا موضوع سامنے آئے گا۔

الغرض علامہ سید سلیمان ندویؒ کی خدمت حدیث کا دائرہ بہت وسیع ہے، انہوں نے علوم حدیث کے ہر پہلو کو تحقیق وتدقیق کے ساتھ پیش کیا ہے، اور آئندہ کے لئے ایسے خطوط طے کر دئے جن پر اہل علم تیز گامی کے ساتھ اپنے سفر کو طے کر سکتے ہیں، اگر چہ علم حدیث میں محققین کا خیال ہے کہ یہ علم (نضج واحترق) (پختہ ہو گیا اور پک گیا) کے مرحلہ سے گزر چکا ہے، لیکن موضوع کے جائزہ اور اس کے بالاستیعاب مطالعہ کے لئے اس کے اعتناء کی شدید ضرورت ہے۔

---

(۱) معارف جنوری ۱۹۴۳ء (۲) معارف جنوری ۱۹۴۳ء

فقہ اسلامی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ

فقہی ذوق ومزاج:

علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک باکمال فقیہ اور بحر شریعت کے عظیم شناور تھے، قرآن وحدیث کا گہرا علم رکھتے تھے، اور مسائل کے استنباط کی بے پناہ صلاحیت ان میں موجود تھی، وہ ہر مسئلہ کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرتے اور قدماء کے فتاوی سے بھی استفادہ کرتے، علوم اسلامیہ میں ان کی مہارت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ملک میں مشاہیر اصحاب افتاء وقضاء علامہ سید سلیمان ندویؒ کے فتاوی اور فیصلوں پر اعتماد کرتے تھے اور ان کی آراء کو اہمیت دیتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آغاز تعلیم میں خالص حنفی مکاتب فکر کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی، اور وہ حنفی گھرانے میں پیدا بھی ہوئے، دارالعلوم ندوۃ العلماء ان کی فکر و نظر کی جولانگاہ تھا، یہاں استاذ فقہ مولانا عبداللطیف مدرس اول سے تعلیم حاصل کی، علامہ موصوف خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''آخری سال تھا، صحیح بخاری کا آغاز تھا، ہم درس ساتھیوں میں کچھ غالی حنفی تھے اور کچھ مائل الی الحدیث تھے، آخری لقب کا اطلاق خود مجھ پر تھا۔''(۱)

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں: ''فقہ میں متأخرین کا متبع نہیں، مگر اہل حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں، ائمہ رحمہم اللہ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃ ان سے عدول حق نہیں سمجھتا۔''(۲)

---

(۱) الندوہ نومبر ۱۹۴۰ء (۲) تذکرہ سلیمان ص:۸۹

فقہ کا لفظ علمائے امت کے نزدیک تین امور کے لئے استعمال کیا جاتا ہے:

فقہ اکبر علم کلام اور عقائد کے لئے

فقہ باطن تزکیہ واحسان کے لئے

فقہ ظاہر حلال وحرام،، جائز وناجائز کے لئے

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان تینوں قسموں میں کمال پیدا کیا، انہوں نے ان تینوں پہلوؤں میں قابل ذکر علمی سرمایہ چھوڑا، علم عقائد میں رسالہ اہل سنت والجماعت اور سیرت النبی جلد سوم جیسی اہم کتابیں ہیں، تزکیہ واحسان میں سیرۃ النبی جلد ششم خاص طور سے قابل ذکر ہے، اور دیگر مضامین ومقالات ہیں، اور فقہ ظاہر میں سیرت النبی جلد پنجم اور ہفتم اور دیگر مقالات وفتاوی ہیں۔

جنوری ۱۹۴۳ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے معارف میں رجوع واعتراف کے نام سے ایک مضمون لکھا، جس میں چند مسائل میں جمہور کے مسلک سے خروج پر رجوع بھی کیا، اور اپنے مسلک کی وضاحت بھی کی، وہ لکھتے ہیں:

> ''مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے کہ عقائد میں سلف صالحین کے مسلک سے علیحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہ نہ ہوسکی، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقیح کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے، لیکن کبھی کوئی ایسی رائے نہیں اختیار کی، جس کی تائید ائمہ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ پر اکثر اعتماد کیا ہے۔''(۱)

فقہی بصیرت:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اجتہاد

(۱) معارف جنوری ۱۹۴۳ء

واستنباط مسائل کے دروازہ کو بند نہیں تصور کرتے تھے، لیکن اس کے لئے اصل سرچشموں سے گہری واقفیت اور مہارت کو لازمی قرار دیتے تھے، معارف ۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں:

''کسی کلام کی صحیح تشریح اس کلام کے صرف مفرد الفاظ کے معنی جان لینے سے نہیں ہوسکتی، بلکہ ضروری ہے اس عہد اور زمانہ کے ماحول کو سمجھنے کی، متکلم کی خصوصیت اور حالات کو جاننے کی، اس کے خیالات سے کافی واقفیت کی، اس کے مجموعہ کلام کی روح اور جوہر سے آگاہی کی، اس خاص مضمون کے ساتھ کافی میلان طبع اور ذوق پیدا کرنے کی اور متکلم کے ساتھ عقیدت اور نیازمندی کی، تب جا کر اس کلام کا اصل مدعا اور مقصد واضح اور روشن ہوتا ہے۔''

مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے عزیز ترین شاگرد تھے، انہوں نے کئی سال علامہ موصوف کی خدمت میں گذارا، اور خصوصی استفادہ کیا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کو مکلّف کیا کہ وہ فقہ القرآن کے نام سے قرآنی آیات کو جمع کریں، اور مسائل واحکام قرآن پر تحقیقی کتاب لکھیں، انہوں نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رہنمائی میں وہ آیات جمع کی، کتاب تو شائع نہیں ہوسکی، لیکن ان کی وفات کے بعد اس کا مسودہ کتب خانہ ندوۃ العلماء کو موصول ہوا، جو اس کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہے۔(۱)

خلافت کمیٹی نے جب ۱۹۲۶ء میں لندن اپنا وفد بھیجا، تو اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کا انتخاب مذہبی رہنمائی کے لئے ہوا، اور لندن میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خلافت کی شرعی حیثیت کو دلائل سے واضح کیا، اور مخاطبین کو ہر لحاظ سے مطمئن کیا، اسی طرح حجاز میں جب مآثر ومقابر کا مسئلہ درپیش ہوا، اور ان کو منہدم کیا جانے لگا تو خلافت کا دوسرا وفد حجاز گیا، اس کے سربراہ علامہ سید سلیمان ندویؒ تھے، انہوں سلطان عبدالعزیز اور عالم اسلام کے نمائندہ افراد کے سامنے مآثر ومقابر کو مسئلہ پوری تفصیل سے واضح کیا۔(۲)

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی کے تفسیری نکات: ۵۰ (۲) حیات سلیمان: ۲۰۹

علامہ سید سلیمان ندویؒ نواب حمید اللہ والی ریاست بھوپال کی دعوت پر ۱۹۴۶ء میں دارالمصنفین سے بھوپال منتقل ہوئے ،تو وہاں ان سے متعلق دو بنیادی امور تھے: ایک یہ کہ عربی مدارس کی نگرانی اور ان کی ترقی کے لئے بنیادی لائحۂ عمل ، دوسرے دارالقضاء کی ذمہ داری، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے یہ دونوں ذمہ داریاں ریاست کے ختم ہونے تک اچھے انداز میں نبھائی، اور دونوں اداروں کو خوب فائدہ پہونچایا، دارالقضاء میں جو مقدمات آتے تھے علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کو کتاب وسنت، اجماع وقیاس کی روشنی میں حل کرتے تھے، اس طرح دارالقضاء سے فتوی بھی دیئے جاتے تھے، جو فتاوی وہاں کے ریکارڈ میں موجود ہیں، وہ بقول مؤلف ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج: ''فتاوی کے پانچ رجسٹر ہیں، جو ریکارڈ دستیاب ہو سکے ہیں ان میں پانچوں رجسٹروں میں فتاوی کی کل تعداد: ۱۵۷ ہے، اور ہر موضوع پر الگ الگ فتاوی ہیں، میراث، طلاق، نکاح، مہر، عدت، تفریق، نان ونفقہ، ہبہ، حظر واباحت، امامت، وصیت، رویت، ان کے علاوہ قضاء کی فائل میں تین رجسٹر قبول اسلام سے متعلق ہیں، تین رجسٹر اقرار ناموں سے متعلق ہیں، دو خلع وطلاق بائن اور تین نکاح کے رجسٹر موجود ہیں، جن پر سید صاحب کے دستخط ہیں اور ان پر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء تک کی تاریخیں درج کی ہیں۔''(۱)

پاکستان ہجرت کے بعد نومبر ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ دستور ساز کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے ، اور تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی صدارت کے لئے بار بار آپ سے درخواست کی گئی ، بالآخر آپ نے اس کی صدارت قبول فرمائی ، معارف سلیمان نمبر میں علمائے پاکستان کا یہ اعتراف نقل کیا گیا ہے:

> ''انہوں نے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے صدر کی حیثیت سے پاکستان کے دستور کے متعلق علماء اور جدید پود کی جو رہنمائی فرمائی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم افراط وتفریط سے بچ گئے''۔

(۱) ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج مؤلفہ مولانا منور سلطان ندوی: ۲۴۴۔۲۴۵

چند فقہی مسائل اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کا موقف:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی عملی زندگی اگر فقہ وفتاوی سے زیادہ وابستہ نہیں رہی، لیکن ان کا مزاج فقیہانہ اور ذہن مجتہدانہ تھا، شریعت کے مصادر پر پوری گہری نظر رکھتے تھے، اور ضرورت کے وقت فتوی بھی دیا کرتے تھے، ان کی فقہی آراء ان کی تصنیفات میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں بعض آراء کو پیش کیا جارہا ہے:

(۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ نے علامہ شبلی نعمانیؒ کے مجوزہ نقشہ کے مطابق سیرت النبی کی پانچ جلدیں لکھیں، ان میں عبادات کو پوری شرح وبسط کے ساتھ مرتب کیا، نماز، زکاۃ اور روزہ کے مسائل واحکام کی وضاحت کی ہے، زکاۃ کے آٹھ مصارف قرآن مجید نے ذکر کئے ہیں، ان میں ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے، اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد لیا ہے، لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کو عام رکھا ہے، اور ہر دینی کام کو اس میں شامل کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''وفی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) ایک وسیع مفہوم ہے، جو ہر قسم کے نیک کام کو شامل ہے، اور حسب ضرورت کبھی اس سے مذہبی لڑائی، سفر حج، یا دوسرے کام مراد لئے جاسکتے ہیں۔'' مزید لکھتے ہیں:
>
> ''اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے جہاد مراد لیا ہے، مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی، للفقراء الذین أحصروا فی سبیل الله میں فی سبیل اللہ سے مراد بالاتفاق صرف جہاد نہیں، بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے، اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکاۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے، مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے، ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو، جیسے خلق لکم ما فی الأرض جمیعا '' (۱)

(۱) سیرۃ النبی ج ۵/۱۷۶

(۲) طلاق مکرہ (شوہر زبردستی بیوی کو طلاق دے) کے سلسلہ میں فقہائے احناف کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع ہوجائے گی ،لیکن امام مالکؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی ،علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنی تصنیف ''حیات امام مالک'' میں لکھا ہے:

''اس مسئلہ کے متعلق مجھے اپنے زمانۂ طالب علمی کا ایک مناظرہ یاد آ گیا، طلاق مکرہ کے مسئلہ میں ہماری جماعت میں اختلاف ہوا، میرے سوا تمام طلبہ وقوع کے قائل تھے ، میں حضرت عائشہؓ کی حدیث (لا طلاق و لاعتاق فی اغلاق) (حالت اکراہ میں طلاق وعتاق نہیں) پیش کرتا، اوران کی طرف سے (ثلاث جدھن جد ،ھزلھن جد) پیش کی جاتی، میں کہتا تھا کہ طلاق مکرہ نہ جد (واقعیت) ہے، نہ ہزل (مذاق) ہے، ہزل تو متفقا نہیں ہے، مگر جد بھی نہیں ہے، کیونکہ جد نام ہے خواہش حقیقی و واقعی کے اظہار کا جو بحالت اکراہ غیر ممکن ہے، بالآخر یہ معاملہ جناب مفتی صاحب (استاذ فقہ مولانا عبداللطیفؒ) کی خدمت میں پیش کیا گیا، مفتی صاحب نے استدلال عقلی کے طور پر فرمایا کہ زبان سے لفظ طلاق ادا کرنا انسان کا ایک فعل ہے، اورافعال کا اثر محتاج نیت وارادہ و اظہار واقعیت و غیر واقعیت نہیں ہے ، مثلا کسی کو تم ایک طمانچہ مارو جو تمہارے ہاتھ کا ایک فعل ہے، تو اس کا اثر یعنی چوٹ اور صدمہ محسوس اور واقع ہوگا، خواہ مارنے والے کے لئے تمہارا ارادہ واقعی ہو یا نہ ہو، اسی طرح لفظ طلاق کے نطق کا جو اثر ہے وہ ہر حال میں واقع ہوگا، اس استدلال کو سن کر میں تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا، پھر علی الفور خدا نے مجھے ایک حجت القاء کردی، میں نے عرض کیا کہ افعال کے اثر دو قسم کے ہوتے ہیں: اعتباری اور واقعی ، واقعی وہ جو ہماری تسلیم واعتبار پر موقوف نہ ہو، بلکہ وہ حقیقتاً بلا اعتبار معتبر ہو، مثلا ضرب کے لئے احساس صدمہ، دوسرا اعتباری،

اگر اعتبار رکھئے تو اثر ہے اور نہ اعتبار رکھئے تو اثر نہیں ہے، مثلاً ایک مجنون کی لفظ طلاق کے ساتھ حرکت زبان، اگر شرع اعتبار کرے تو طلاق ہے، نہ اعتبار کرے تو طلاق نہیں ہے، اس لئے بجائے استدلال عقلی کے صرف یہ ثابت کرنا چاہئے کہ مکرہ کے اس فعل کے اس اثر کا شریعت اعتبار کرتی ہے، یا نہیں اور اس کا فیصلہ حدیث عائشہؓ نے کر دیا کہ نہیں کرتی۔''(۱)

(۳) امارت شرعیہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت ان ممالک میں زیادہ بڑھ جاتی ہے، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور ان پر دوسری قوموں کا تسلط ہے، ملک ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام کے علامہ سید سلیمان ندویؒ بڑے موید تھے، اور شرعی تنظیم نہ ہونے سے ملت میں جو انتشار و افتراق کی کیفیت ہے اس سے بڑے کبیدہ خاطر تھے، جمعیۃ علماء ہند کے ایک اجلاس میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمانوں کی حقیقی اصل جوہری تنظیم وہی ہے، جو آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم ہوئی تھی، اور وہ یہ کہ ہر ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں اور اکثریت بھی نہیں، ایک امارت قائم کی جائے، خاص قواعد شرعی کے ساتھ انتخاب ہو، اس کے لئے ایک مجلس شوری ہو اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر بیعت ہوں اور اس کے ہر شرعی حکم کو واجب التعمیل سمجھیں، جس کا مخالف مذہباً عاصی اور گنہگار اور ملت کے راستے سے کٹ جانے والا ہوگا۔''(۲)

ایک دوسرے موقع پر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے امارت شرعیہ کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے ہر طبقہ کے مسلمانوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی

---

(۱) حیات امام مالکؒ: ۴۷۔۴۸ (۲) خطبہ صدارت اجلاس کلکتہ ص: ۵۱

چاہئے کہ آئندہ ہندوستان کی جو شکل وصورت بھی ہو، بہر حال یہاں کی حکومت اسلامی نہ ہوگی، بہتر سے بہتر جو صورت حال خیال میں آسکتی ہے، وہ ایک متحدہ جمہوریت کی ہے، اس لئے ہر حال میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اپنی قومی و مذہبی ضروریات کے اپنے آپ کفیل ہوں اور یہی ضرورت بعینہ اس وقت بھی ہے، مسلمانوں کی اسلامی و مذہبی تعلیم، ان کے مدرسے، ان کی مسجدیں، ان کے اوقاف، ان کے نکاح وطلاق وراثت وغیرہ خاص محکموں کے محتاج ہیں، اور آئندہ رہیں گے، علی ھذا القیاس اس کے ماتحت دارالافتاء ہوں، جہاں سے جدید ضروریات کے متعلق فتوے صادر ہوں''۔

مزید لکھتے ہیں:

''مسلمان ڈرتے کیوں ہیں؟ وہ اپنا نظام نامہ خود بنا کر اس وقت کیوں نہیں پیش کرتے، جمعیۃ العلماء اس طرف قدم کیوں نہیں بڑھاتی، اور اس کے قبول ومنظور کے لئے پوری کوشش وجدوجہد نہیں کرتی، اور اس کے لئے مسلمان پبلک کو آمادہ نہیں کرتی، آسمان کو دیکھ کر موسم کے انقلاب کی پیشین گوئی اگر جائز ہے تو موجودہ حالات کو دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ اس قسم کی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی گئی تو مسلمانوں کی ممتاز ہستی اس ملک میں قائم نہیں رہ سکتی۔''(۱)

فقہ پر کام کا خاکہ:

فقہ اسلامی کے متعدد پہلوؤں پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کام کا خاکہ بنایا، اور فقہی مجالس میں شرکت بھی کی، اور اس میدان کے نو واردوں کی رہنمائی بھی کی، ریاض پاکستان سلیمان نمبر میں ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اسلام کے نظام کاشتکاری، اور

(۱) معارف ۱۹۲۹ء ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج: ۲۲۳

زراعت وآب پاشی کے مسائل کو یکجا کرانے کا علمی منصوبہ رکھتے تھے، حضرت تھانویؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو یہ طے پایا کہ شروع سے پورے سلسلہ فقہ کو اردو میں مدون کر دیا جائے، علامہ سید سلیمان ندوی کو اس کی تکمیل کا بڑا خیال تھا، یہی وجہ ہے کہ ندوۃ العلماء جب آخری بار ۱۹۵۲ء میں تشریف لائے تو اساتذہ وطلباء کے سامنے ایک خطاب میں فرمایا:

''اس وقت نئے نئے مسائل پیش آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کرنا چاہئے۔''(۱)

یہ ایک جائزہ تھا، جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کی فقہی بصیرت اور علمی مہارت پر گواہ ہے، بلاشبہ انہوں نے مصادر شریعت کا گہرا علم حاصل کیا تھا، اور اس میں ان کی نرالی شان تھی۔

---

(۱) ریاض سلیمان نمبر: ۱۴۱

علامہ سید سلیمان ندویؒ اور فن سیرت نگاری

علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک عظیم سیرت نگار تھے، انہوں نے سیرت نگاری کے رموز و اسرار کو سمجھا، اور ان کو پوری امانت داری کے ساتھ برتا، سیرت نگاری کا فن مصادر شریعت پر گہری واقفیت کا متقاضی ہوتا ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ اس فن سے اپنی زندگی کے آغاز ہی میں وابستہ گئے کہ وہی ان کی زندگی کی اصل پونجی اور سرمایہ قرار پایا، خود ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''استاذ مرحوم کے جو احسانات مجھ پر ہیں، وہ کم و کیف کے احاطہ سے باہر ہیں، سب سے آخر یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اور اپنی زندگی کے بعد بھی بہ شکل وصیت اس کو سرور کائنات، فخر موجودات، رحمت عالم، سید اولاد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار اقدس میں جہاں وہ سب سے آخر پہنچے تھے، سب سے اول پہنچایا، یعنی حضور انور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ، جمع و تنقید اور تالیف و تحقیق کی خدمت ابتدا ہی میں سپرد کی، جو الحمدللہ یہاں اس کے لئے سعادت کا ذریعہ ہے، ان شاء اللہ وہاں اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوگی۔''(۱)

سیرت نگاری کا منہج:

علامہ سید سلیمان ندویؒ سیرت نگاری میں قرآن و حدیث کو بنیادی مرجع تصور کرتے تھے، انہوں نے قرآن مجید کی روشنی میں سیرت طیبہ کو بیان کیا ہے اور حدیث شریف سے اس کو مدلل کیا ہے، نیز قدماء کی کتب سیرت ان کے زیر مطالعہ رہی، ہر بات

(۱) حیات شبلی ص:۱۱-۱۲

تحقیق واستناد کے ساتھ کہتے، اور اسی کا اپنے ماتحتوں کو مشورہ دیتے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی کی اولین جلدیں جو علامہ شبلی نعمانیؒ نے مرتب کی تھی، اور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی تھی جب ان پر نظر ثانی کر کے طباعت کے لائق بنایا تو اس میں بھی ان کا تحقیقی وتنقیدی رنگ نمایاں نظر آیا، کئی مقامات پر استاذ مرحوم کی رائے سے ادب کے ساتھ اختلاف ظاہر کیا ہے، اور حاشیہ میں اس کی وضاحت بھی کی ہے، خود علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے عزیز شاگرد مولانا محمد اویس نگرامی ندوی کو جو ان کی تربیت میں دارالمصنفین میں کئی سال رہے اس سلسلہ میں رہنما ہدایات دی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''سید صاحب مضامین یا تصنیف وتالیف میں متقدمین کی کتابوں کے حوالوں کا مشورہ دیا کرتے تھے، سیرۃ النبی جلد اول پر جب نظر ثانی کی خدمت میرے سپرد فرمائی تو ایک موقع پر سیرت حلبیہ کے حوالہ کے بغیر چارہ نظر نہ آیا، سید صاحب نے بہت تردد کے بعد اس کو قبول فرمایا۔''(۱)

سیرۃ النبی کی تالیف میں جس دقیقہ رسی اور جگر کاوی کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ظاہر کیا، اور مراجع ومصادر کی تلاش میں جو محنت وریاضت کی وہ آئندہ نسلوں کے لئے نمونہ قرار پائی، غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیرۃ النبی کی اولین دو جلدوں میں ولادت سے لے کر وفات تک پورے حالات ذکر کر دیئے گئے ہیں، اور عام طور پر سیرت نگاروں نے اسی پہلو پر توجہ دی ہے، لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے تعلیمات رسول ﷺ کو بھی اپنی سیرت کے مجوزہ نقشہ میں شامل کیا تھا، آپ ﷺ کیسے تھے؟ اس سے تو ہر آدمی واقف ہوتا ہے، لیکن آپ کی تعلیمات کیا ہیں، زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں آپ کی رہنمائی کیا ہے، اس کو بھی سیرت النبی کا موضوع بنایا گیا، اور اسی نقشہ کے مطابق سیرۃ النبی کی تدوین کا کام مکمل ہوا۔

---

(۱) حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی: مشاہدات وتأثرات، مضمون مولانا محمد اویس نگرامی ندوی: ۱۵۸

استاذ کے اہم کام کی تکمیل:

سیرۃ النبی جلد سوم معجزات سے متعلق ہے، ابتداء میں آیات اور معجزات کا فرق واضح کیا ہے، فلسفہ قدیم کی روشنی میں معجزات کی معنویت کو ثابت کرنے کے لئے مشہور فلسفی مولانا عبد الباری ندویؒ سے تعاون لیا، انہوں نے اس موضوع کو دلائل و براھین سے مبرہن کیا، اس کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے نبوت کی خصوصیات اور معجزات نبوی کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے، آسمانی صحیفوں میں رسول اللہ ﷺ کی جن علامتوں کا تذکرہ کیا گیا تھا، اس پہلو پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، سیرۃ النبی کی یہ جلد ۱۹۲۴ء میں دارالمصنفین سے طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔

سیرۃ النبی کی چوتھی جلد منصب نبوت سے متعلق ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت، بلکہ دہری بعثت، بعثت کے وقت عربوں کی حالت، عربوں کے خیر امت بننے کی خصوصیات، دعوت وتبلیغ کی بنیادیں، عقائد اور ایمانیات، توحید و رسالت، رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، جنت، دوزخ، حساب و کتاب وغیرہ موضوعات زیر بحث ہیں، یہ جلد ۱۹۳۴ء میں طبع ہوکر آئی۔

سیرۃ النبی جلد پنجم عبادات سے متعلق ہے، اس کا تعلق عمل صالح سے ہے، کچھ اعمال صالحہ وہ ہیں جو ظاہری ہیں جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج، اور کچھ باطنی ہیں جیسے تقوی، اخلاص، توکل، صبر، شکر۔ اس جلد میں یہ موضوعات پوری وضاحت کے ساتھ آئے ہیں، یہ جلد ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی، اور مقبول ہوئی۔

سیرۃ النبی کی جلد ششم اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے، اخلاقیات میں اسلام اور اخلاق حسنہ، حقوق وفرائض، اچھے اخلاق، برے اخلاق، اور آداب زندگی شامل ہیں، یہ جلد ۱۹۳۹ء میں منظر عام پر آئی، اور اپنے موضوع پر کافی وشافی رہی۔

سیرۃ النبی کی جلد ہفتم اگر چہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی، لیکن اس کا ابتدائی کام علامہ سید سلیمان ندویؒ نے شروع کر دیا تھا، اور کچھ پہلوؤں پر مضامین بھی لکھے تھے، ان کو مرتب کر کے یہ جلد تیار کی گئی، جس میں معاملات، اور ان کے حدود، سلطنت اور ملوکیت اور دیگر پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہے۔

جناب صباح الدین عبدالرحمٰن ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سیرۃ النبی کی مختلف جلدیں لکھتے وقت سید صاحب کو برابر یہ خیال رہا کہ ان میں وہ پورے اسلام کو منتقل کر دیں، پہلے سیرت میں زیادہ تر مغازی، اخلاق اور شمائل نبوی قلمبند کئے گئے، لیکن ان ساتوں جلدوں میں اسلام کے گوناگوں پہلو دکھائے گئے ہیں، جن سے یہ اسلامی تعلیمات کی دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔''(۱)

سیرت پر دیگر کتابوں کا جائزہ:

خطبات مدراس علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرت پر دوسری جامع کتاب ہے، بلکہ یہ سیرت کا نچوڑ ہے، اس میں تاریخی شواہد اور واقعات کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ انسانیت کی تکمیل انبیائے کرام کی سیرتوں ہی سے ممکن ہے، وہی پورے عالم انسانی کے لئے نمونہ ہیں، اس کے بعد تمام انبیاء کے درمیان رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو قابل تقلید بتایا گیا ہے، اور اس کی تاریخیت، اکملیت، جامعیت، عملیت پر بحث کی گئی ہے، یہ آٹھ محاضرات اور خطبات ہیں، جو سیرت کے ایک انوکھے اسلوب میں مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، ۱۹۲۶ء میں مدراس میں یہ خطبات دیئے گئے اور مقبول ہوئے۔

مصنف تاریخ ندوۃ العلماء جلد دوم کے مطابق: ''خطبات مدراس میں سیرت کا عطر و خلاصہ، عصری ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے آ گیا ہے، وہ عرصے تک سیرت نگاروں اور

(۱) حضرت اُستاذنا المحترم مولانا سید سلیمان ندویؒ: ۳۷۴

اسلامیات پر کام کرنے والوں کے لئے روشن چراغ کی اہمیت رکھے گا، اور انہیں بحث ونظر کے لئے رہنما خطوط مہیا کرتا رہے گا۔'' (۱)

نئی نسل کی ذہنی تشکیل میں سیرت کے واقعات کو سہل اور آسان اسلوب میں پیش کرنا یہ ہر زمانہ کی ضرورت رہی ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے علمی کاموں کے دوران محسوس کیا کہ بڑی سطح کے افراد کے لئے سیرت النبی کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، لیکن چھوٹے بچوں کے لئے اس موضوع پر مختصر کوئی کتاب نہیں، چنانچہ رحمت عالم کے نام سے یہ کتاب ۱۹۴۰ء میں مرتب کی، یہ کتاب ایسی مقبول ہوئی کہ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے۔

سیرت عائشہؓ یہ کتاب اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی جامع سیرت اور حالات زندگی پر مشتمل ہے، ۱۹۲۴ء میں یہ کتاب طبع ہوکر منظر عام پر آئی، سلطان جہاں بیگم کو جب اس کی تالیف کا علم ہوا تو انہوں نے جلد مکمل کرنے کی طرف توجہ دلائی، پوری کتاب دو مرکزی حصوں میں منقسم ہے: ایک حالات زندگی، تو دوسرے علمی اکتسابات اور کارنامے۔

---

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم: ۴۸۶

علامہ سید سلیمان ندویؒ اور فن تاریخ

تاریخی انکشاف:

علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک ماہر سیرت نگار کے ساتھ ایک باشعور مؤرخ بھی تھے، وہ فن تاریخ کے اسرار سے صرف واقف نہیں، بلکہ اس بحر کے غواص تھے، انہوں نے عربی، اردو، انگریزی، اور عبرانی زبانوں میں تاریخی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، اور تاریخ اور فلسفہ تاریخ کو بڑی باریک بینی سے پرکھا تھا، ان کے نزدیک تاریخ نام ہے واقعات کو من و عن بیان کردینے کا، جب کہ فلسفہ تاریخ نام ہے واقعات کے اسباب وعلل پر بحث کرنے کا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مشہور مؤرخ ابن خلکان کی کتاب وفیات الأعیان پر ایک جامع مقالہ ندوۃ العلماء کے ترجمان الندوہ میں لکھا، اور جس میں بتایا کہ لوگ فلسفہ تاریخ کا بانی ابن خلدون کو قرار دیتے ہیں، جب کہ فلسفہ تاریخ کا اصل بانی ابن خلکان ہے۔(۱)

شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی:

ندوۃ العلماء کے زمانہ قیام ۱۹۱۰ء میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ندوۃ العلماء کے شعبہ تصحیح اغلاط تاریخی کا سکریٹری بنایا تھا، اس شعبہ کا مقصد یہ تھا کہ انگریز مؤرخوں کی غلط بیانیوں اور الزامات کی تردید کی جائے، اور صحیح واقعہ حقائق اور شواہد کی روشنی میں پیش کیا جائے، ایک جگہ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''سرکاری مدارس میں تاریخ ہند کی تعلیم کا اضافہ بظاہر علم کے اضافہ کے لئے ہے، مگر درحقیقت یہ اقوام ہند کے قدیم اختلافات ونزاعات کے

(۱) الندوہ ۱۹۰۸ء

اضافہ کے لئے ہے، ہماری یونیورسیٹیوں کی تاریخ ہند کی کتابوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی ہی باتیں جمع کی جاتی ہیں، جن سے ان دونوں قوموں (ہندوؤں اور مسلمانوں) کے جذبات میں مزید اشتعال پیدا ہو، اور اس کا اتفاق آئندہ مشکل سے بڑھ کر محال ہو جائے، حالانکہ اس ملک کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں، جن کے پڑھنے سے ان دونوں قوموں کے درمیان اختلاط و محبت کے جذبات پیدا ہوں۔''(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں کتب خانہ اسکندریہ کے مسلمانوں کے ذریعہ جلائے جانے کے الزام کی تردید بڑی شدومد سے کی ہے، جب کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے زمانہ میں بڑے مدلل انداز میں اس موضوع کو پیش کیا تھا، لیکن اسلام دشمن عناصر کے ذریعہ یہ موضوعات وقتاً فوقتاً اٹھائے جاتے رہے ہیں، اس لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے زمانہ میں جب یہ موضوع اٹھا تو انہوں نے دلائل سے دوبارہ واضح کیا کہ عیسائیوں نے اس کتب خانہ کو جلایا، اور برباد کیا، لیکن الزام مسلمانوں کے سر منڈھ دیا۔(۲)

اسی طرح کئی الزامات اور اعتراضات تھے، جن کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حقائق کی روشنی میں اس طرح پیش کیا کہ ان اعتراضات کی کمزوری سامنے آگئی۔ جیسے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی، تاج محل کا بانی کون ہے؟ اورنگ زیب ایک ظالم بادشاہ تھا، سیرت نبوی پر تنقید، وغیرہ۔(۳)

تاریخی منصوبے اور ان کی تکمیل:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تاریخ دانی کا ایک مظہر یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ اسلام

(۱) شذرات سلیمانی حصہ دوم ۳۹۱ (۲) ماہنامہ الندوہ دسمبر ۱۹۱۱ء (۳) تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مؤرخ مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

کی تدوین کا ایک جامع منصوبہ بنایا، اور اس کے مطابق عمل شروع ہوا، چنانچہ دارالمصنفین کی مطبوعات میں اسوۂ صحابہ وصحابیات، تاریخ فقہ اسلامی مؤلفہ مولانا عبدالسلام ندوی، سیر الصحابہ مولانا سعید انصاری، مولانا حاجی معین الدین ندوی، سیر الصحابہ، وتابعین، تاریخ اسلام (چار جلدیں) مؤلفہ مولانا شاہ معین الدین ندوی، تاریخ صقلیہ، تاریخ اندلس مولانا سید ریاست علی ندوی، تاریخ دولت عثمانیہ مؤلفہ ڈاکٹر محمد عزیر قابل ذکر ہیں۔ اور یہ کتابیں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی براہ راست نگرانی میں مرتب ہوئیں اور شائع ہوئیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تاریخ ہند کی ترتیب کا منصوبہ بنایا، اور ماہنامہ معارف میں اس سے متعلق تحقیقی مضامین اور مقالات شائع کئے، اور شذرات سلیمانی کے مطابق اس اہم کام کے لئے ہندوستان کے نامور مؤرخین کی ایک بزم بنائی، جس میں ۱۴/افراد کو شامل کیا، (معارف دسمبر ۱۹۳۲ء)، اسی زمانہ میں جناب صباح الدین عبدالرحمٰن کی تقرری دار المصنفین میں ہوئی تو ان کو تاریخ کا موضوع سپرد کیا، اور ماشاء اللہ انہوں نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

۱۔ بزم تیموریہ (تین جلدیں)
۲۔ بزم مملوکیہ
۳۔ بزم صوفیہ
۴۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے
۵۔ ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک
۶۔ ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام
۷۔ ہندوستانی کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے
۸۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء ومشائخ کے تعلقات پر ایک نظر
۹۔ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں

۱۰۔ظہیر الدین بابر (ہندو مسلم مؤرخین کی نظر میں)

۱۱۔ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں (دو جلدیں)

۱۲۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری

۱۳۔عہد مغلیہ میں ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات

۱۴۔عہد سلاطین میں ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات

اسی سلسلہ میں ہندوستان کی اسلامی درسگاہیں مولانا ابوالحسنات ندوی، رقعات عالمگیر پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی، تاریخ سندھ مولانا سید ابوظفر ندوی، مختصر تاریخ ہند مولانا سید ابوظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ مولانا سید ابوظفر ندوی وغیرہ بھی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خطبات مدراس میں کارلائل کے حوالہ سے لکھا ہے: تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانحعمر یوں کے سلسلہ کا نام ہے(۱) اس قول کے تناظر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصنیفات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں حیات امام مالک، خیام، حیات شبلی، یاد رفتگاں، عرب و ہند کے تعلقات، عربوں کی جہاز رانی جیسی اہم اور قیمتی کتابیں تصنیف کی، اور یہ تاریخ نویسی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

امام مالک کی شخصیت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک دور طالب علمی ہی سے محبوب رہی ہے، سب سے پہلے ندوۃ العلماء کے اولین صحافتی اردو ترجمان الندوہ میں حیات امام مالک پر ایک مبسوط مقالہ لکھا، جو کئی قسطوں میں شائع ہوا، علامہ سید سلیمان ندویؒ صحیح بخاری پر مؤطا کو ترجیح دیتے تھے۔

حیات امام مالک میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے صرف امام مالک ہی نہیں، بلکہ فقہائے مدینہ کے کارناموں کی طرف بڑی جامعیت کے ساتھ اشارہ کیا ہے، اور اس عہد کی تاریخ، خلافت امیہ وخلافت عباسیہ کے علمی، فکری ازدہار وترقی کو بیان کیا ہے۔

---

(۱) خطبات مدراس: ۱۵

عمر خیام پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تصنیف تاریخ دانی کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک لاابالی شخص تھا، شب و روز مست پڑا رہتا تھا، عالم خمار میں جو وہ بک دیتا تھا وہ رباعی بن جاتی تھی، وہ تناسخ کے عقیدہ کا قائل تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دلائل کی روشنی میں ان باتوں کی تردید کی ہے، اور بتایا ہے کہ اس کا نام عمر تھا، اور خیام اس کا لقب ہے، اس کے خاندان میں خیمہ لگانے کا پیشہ تھا، اس لحاظ سے اس کو خیام کے لقب سے یاد کیا گیا۔ وہ نیشاپور کا رہنے والا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خیام میں سنین کی تحقیق، واقعات کی تلاش، ماخذوں، اور حوالوں، اور خیام کی فلسفیانہ تصنیفات کی جستجو، اور اس کی رباعیات کی ترتیب میں غیر معمولی محنت کی ہے، پروفیسر رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے:

> ''خیام پر سید صاحب کی تصنیف سامنے آئی تو دل باغ باغ ہو گیا کہ ایک تصنیف اردو میں دیکھنے میں آئی، جو کسی زبان کے بڑے سے بڑے تحقیقی کارناموں کے ساتھ رکھی جاتی ہے، اس کتاب کی تصنیف میں سید صاحب کے حیرت انگیز طالب علمانہ شغف، مؤرخانہ ژرف نگاہی، ادبی پرکھ اور عالمانہ بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، معمولی سے معمولی دعوے کو مستند سے مستند ماخذوں سے مستحکم کیا ہے۔''(۱)

تاریخ نویسی میں حیات شبلی کی معنویت اور اس کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، یہ صرف عہد جدید کے معلم اول کی سوانح نہیں، بلکہ پچاس سال کی پوری علمی، ادبی، سیاسی، مذہبی اور قومی واقعات کی تاریخ ہے، اور ساڑھے آٹھ سو صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، یہ کتاب صرف تذکرہ نہیں، بلکہ اسباب و محرکات سے متعلق بھی بحث کرتی ہے، اور واقعات کے نتائج اور انجام سے بھی پردہ اٹھاتی ہے۔

حیات شبلی کی خصوصیات پر اہل علم نے خوب لکھا ہے، پروفیسر محمد ابراہیم ڈار لکھتے ہیں:

---

(۱) ہم نفسان رفتہ: ۲۶

''اس ضخامت کے باوجود اس میں زندگی کی روح بھی ہے، اس کتاب کی کامیابی کا ایک سبب مصنف کا علمی تبحر ہے، جس کا ثبوت کتاب کے صفحات پر جا بجا ملتا ہے، حیات شبلی کے بعض حاشیے علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت مفید قیمتی ہیں۔''(۱)

مولانا ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی لکھتے ہیں:

''حیات شبلی کی حسن ترتیب، مصنف کا عالمانہ اسلوب بیان، حوالوں کی کثرت، معلومات کی فراوانی اور شبلی کی جامع اور ہمہ جہت شخصیت پر سیر حاصل تبصرہ، سید صاحب کو اردو سوانح نگاروں میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔''(۲)

اسی سلسلہ کی ایک اہم کتاب یادرفتگاں بھی ہے، وہ شخصیات کا جامع مرقع ہے، اور ان کے عہد اور خدمات پر بے لاگ تبصرہ ہے، یہ اگرچہ مستقل تصنیف نہیں، لیکن تصنیف کی تمام خصوصیات اس میں پائی جاتی ہے، اس میں اپنے زمانہ کے مشاہیر اہل قلم کی رحلت پر نوک قلم سے نکلے ہوئے دردانگیز نالے بھی ہیں، اور اس میں نئے مستقبل کی بازیافت کے اشارے بھی ہیں، اس کتاب کو پڑھ کر قارئین کے دل جوش و ولولہ سے امنڈ آتے ہیں اور اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کے سچے جذبات جوش مارنے لگتے ہیں۔

مقدمۂ کتاب میں ہے:

''راقم سطور کے نزدیک ان وفیاتی مضامین کی سب سے زیادہ نمایاں حیثیت تاریخی اور ادبی ہے، ہندوستان کے ماضی قریب کی تاریخ لکھنے والوں کو اس کتاب سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔''(۳)

سلسلہ تاریخ کی اہم کتابوں میں عرب و ہند کے تعلقات، اور عربوں کی جہاز رانی

---

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت اور ادبی خدمات: ۱۶۳ بحوالہ مضامین ڈار ۲۴۲

(۲) علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت اور ادبی خدمات: ۱۶۳

(۳) مقدمہ یادرفتگاں

ہیں، یہ اگر چہ دو مقامات پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کے لکچرز اور محاضرات کے مجموعے ہیں، لیکن اپنے موضوع پر جدت اور انفرادیت کے حامل ہیں، قدیم زمانہ میں عربوں نے دنیا کا سفر کیسے کیا، اور اس راستے میں کن کن صعوبتوں کو برداشت کیا، یہ مستقل موضوع تحقیق و مطالعہ کا تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے گہرے مطالعہ اور اخاذ ذہن سے یہ شاہکار تصنیف پیش کی۔

تاریخی واقعات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مستند کتابوں ہی کا حوالہ دیا ہے، جیسے تاریخ طبری، تاریخ ملوک الأرض مؤلفہ حمزہ اصفہانی، مقدمہ ابن خلدون، تاریخ الخلفاء سیوطی، تاریخ الیھود لبلاد العرب واسرائیل۔ عیسائیوں کی تاریخ کے سلسلہ میں تاریخ زوال وانحطاط روما، ڈریپر کی تاریخ معرکہ مذہب وسائنس، لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جارج سیل کا انگریزی ترجمہ قرآن، معجم البلدان، طبقات الأمم، کتاب البیان والتبیین للجاحظ، العقد الفرید، کتاب المعارف ابن قتیبہ، مجمع الفوائد، طبقات ابن سعد۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ
اور عربی زبان وادب

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عربی ذوق:

علامہ سید سلیمان ندویؒ زبان وادب کے رمز شناس تھے، وہ صرف اپنی مادری زبان اردو کے ماہر ہی نہیں تھے، بلکہ عربی زبان وادب کی سنگلاخ وادی کے کامیاب مسافر تھے، اگرچہ انہوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آنے سے پہلے پڑھ لی تھیں، لیکن ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم میں داخلہ کے بعد باکمال اساتذہ کے فیض صحبت سے انہیں زبردست فائدہ ہوا۔ ان میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، مولانا حفیظ اللہ بندوی، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اور علامہ شبلی نعمانی قابل ذکر ہیں، ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی، اور رفاہِ عام کلب لکھنؤ کے جلسہ میں عربی تقریر کرکے اپنی علمی عبقریت اور عربی دانی کا ثبوت فراہم کیا، یہ وہ پہلا نقش ہے جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے شان دار مستقبل کا ضامن ہوا۔

مولانا غلام محمد حیدرآبادی لکھتے ہیں:

> ''ایک مرتبہ راقم کی موجودگی میں دو منکرین حدیث حضرت والا کی خدمت میں آئے، اور اپنے مسلک کی گفتگو کا آغاز کیا، دعویٰ یہ کیا کہ قرآن ہمارے لیے کافی ہے اور آسان ہے، اور تائید میں یہ آیت پڑھ دی: "ولقد یسّرنا القرآن للذکر، فھل من مدکر"، (قمر:۲۲) حضرت والا مخاطب کی لیاقت کو تاڑ گئے، دریافت کیا کہ آیا عربی سے واقفیت ہے؟ جواب اثبات میں ملا تو فرمایا: اس آیت کا ترجمہ کردیجیے، مخاطب نے مفہوم

بیان کیا، حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے تو ترجمہ پوچھا تھا، پھر فرمایا کہ خیر، یہی بتادیجیے کہ یہ لفظ ''مدکر'' کیا ہے، اور اس کا مادّہ کیا ہے؟ مسئول نے فوراً کہا کہ یہ لفظ ''درک'' سے بنا ہے، اور اس کے معنی سمجھنے کے ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو اسی جواب کی توقع تھی، یہ تو آپ حضرات کی عربی دانی ہے، اور اس پر قرآن فہمی کا دعویٰ، پھر ان دونوں کو حضرت نے نہایت شفقت سے سمجھایا کہ یہ لفظ ذکر سے مشتق ہے، اور فلاں قاعدہ کے تحت ''ذ'' ''د'' سے بدل گئی ہے، اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ پہلے عربی زبان پھر متعلقہ علوم قرآن کے حصول کی طرف توجہ کی جائے، اور پھر قرآن پاک میں غور وخوض کریں، اس گفتگو سے بظاہر وہ دونوں حضرات متأثر اور پشیماں بلکہ ممنون ہوگئے۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی عربی زبان وادب پر گرفت بڑی مضبوط تھی، عربی زبان وادب میں کمال ولیاقت کا اثر تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۰۸ء میں عربی ادب کے استاد ہوگئے، اور ۱۹۱۳ء تک اسی عہدے پر فائز رہے، اسی درمیان عربی زبان کی ایک معجم بھی تیار کی، جو ''لغاتِ جدیدہ'' کے نام سے متعارف ہے، اور ''دروس الأدب'' کے نام سے عربی زبان سیکھنے کے لیے دو ریڈریں تیار کیں، اور عربی زبان وادب کے ماہرین تیار کرنے میں زبردست حصّہ لیا۔ انہوں نے عربی میں اداریئے لکھے، نظمیں کہیں، یہاں تک کہ ایک دیوان بھی تیار ہوگیا، اور عربی کتابوں پر مقدمے تحریر کئے، عربی وفود کی ترجمانی بھی کی، اور ہندوستان کی نمائندگی بھی۔

ذیل میں کچھ اہم ادبی کاوشوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

دروس الأدب:

علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ کا بحیثیت استاذ ادب عربی ۱۹۰۸ء میں ندوہ میں تقرر ہوا، تو انھوں نے علاّمہ شبلیؒ کے مشورہ سے ''دروس الأدب'' نامی کتاب دو حصّوں میں تصنیف کی، یہ

(۱) تذکرۂ سلیمان: ۳۴۸۔۳۴۹

کتاب ابتدائی عربی سیکھنے کے لیے لکھی گئی ہے، حصّہ اوّل ۳۲ رصفحات پر مشتمل ہے، اور نحوی قواعد کی روشنی میں عام فہم مثالیں دی گئی ہیں۔ حصّہ دوم ۶۰ رصفحات پر مشتمل ہے، اس میں دو باب ہیں: ایک باب: جملوں اور فقروں کے استعمال پر مشتمل ہے، اور دوسرا باب مکالمات پر۔

اس کتاب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآنی آیات، احادیث اور تاریخی واقعات کا کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔

لغاتِ جدیدہ:

یہ علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ کی ایک مشہور کتاب ہے، ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ منعقدہ دہلی میں عربی کے جدید الفاظ کی ایک ڈکشنری مرتب کرنے کی تجویز پیش کی گئی، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے محنت کر کے ۱۹۱۲ء میں ''لغات جدیدہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس زمانہ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ماہ نامہ المنار قاہرہ کے مدیر، عربی زبان وادب کے مشہور عالم علاّمہ رشید رضا مصریؒ تشریف لائے تھے، انھوں نے اس کو بے حد پسند کیا، اور اس کی تعریف وتوصیف کی۔

اس کتاب میں عربی کے چار ہزار الفاظ کی تشریح ہے، اس میں دخیل اور مولد الفاظ پر بھی ایک جامع ابتدائیہ تحریر کیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سب سے پہلے ۱۹۱۲ء میں مطبع آسی لکھنؤ سے ہوئی۔ مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے لکھا ہے:

> ''جدید عربی ادب میں جب مغربی افکار وخیالات اور جدید انکشافات کی وجہ سے برابر نئے الفاظ اور نئی ترکیبیں داخل ہورہی تھیں تو سیّد صاحب کو اس کتاب کے دوسرے تیسرے ایڈیشن کے وقت اس کتاب میں ترمیم واضافہ کا خیال ہوا، اس کام کے لیے انہوں نے اپنے محبوب شاگرد مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو منتخب کیا اور ان کی اصلاح کے بعد یہ کتاب دوبارہ سہ بارہ شائع ہوئی۔''(۱)

(۱) افکار سلیمانی: ۳۰۴

عربی مقالہ نگاری:

علامہ سید سلیمان ندویؒ طالب علمی ہی کے زمانہ سے اردو اور عربی میں مقالات لکھتے تھے، وہ مقالات عربی اور اردو جرائد میں شائع ہوتے تھے، ان میں الضیاء، البیان اور المنار خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

البیان میں شائع ہونے والے اہم مقالات میں "المجلس النيابي العثماني، علم الكلام والتوحيد وأصحاب الحديث، خطب النساء المسلمات في الحروب، إعجاز القرآن، المسيحية والإسلام، الشعر العربي، المدنية الإسلامية والمدنية الحديثة، المولد النبوي والمحتفل الأوّل به، عالم الإسلام واحتياجهم إلى العلوم الحديثة. الضیاء میں "طلوع الضياء" کے نام سے افتتاحیہ سپرد قلم کیا، "علم الجغرافية والعرب" کے عنوان سے چھ قسطوں میں مقالہ لکھا۔

عربی مقدمے:

علاّمہ سیّد سلیمان ندویؒ نے کئی کتابوں پر عربی میں مقدمے لکھے، ان میں

(۱)ملتقط جامع التأويل لمحكم التنزيل (مرتبہ مولانا محمد سعید انصاری)

(۲)امعان في أقسام القرآن (لعبد الحميد الفراهي)

(۳)فاتحه تفسير نظام القرآن لعبدالحميد الفراهي۔

(۴)كتاب المعتبر للفلسفي المشهور أبي البركات هبة الله البغدادي (مطبوعہ تین جلدوں میں، دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد)

(۵)الردّ على المنطقيين لابن تيمية (مطبوعه الدار القيمة ممبئی، باهتمام شيخ عبدالصمد بن شرف الدين الكتبي)

(۶)معجم الأمكنة للحاج معين الدين الندوي

عربی میں خطوط نگاری:

مولانا مسعود عالم ندویؒ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خطوط کو ''مکاتیب سلیمان'' کے نام سے جمع کیا ہے، یہ خطوط اردو میں ہیں، لیکن ابتدا میں پانچ خطوط عربی میں ہیں، مولانا مسعود عالم ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''پہلے پانچ خطوط عربی زبان میں ہیں، اس وقت راقم کو نیا نیا عربی کا شوق تھا، درس نظامی کی اکثر متداول کتابیں پڑھنے کے باوجود عربی زبان میں لکھنے اور بولنے کی قدرت نہ رکھنے کا بڑا افسوس تھا، خانگی حالات بھی سال دوسال سے بہت خراب تھے، باہر جانا چاہتا تھا، مگر پر پرواز نہیں، بار بار کلیجہ مسوس کر رہ جاتا کہ کیا کیا جائے، اتنے میں سیّد صاحب قبلہ سے مراسلت کی سوجھی، جس کا پہلا ثمرہ دارالعلوم ندوہ میں داخلہ کی شکل میں ظاہر ہوا، اور کامیابی کی ایک راہ نمودار ہوئی۔''

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ کے پانچ خطوط المجمع العربي الهندي کے میمنی نمبر میں ہیں، جو انھوں نے علاّمہ عبدالعزیز میمنی کو لکھے تھے۔

اسی طرح علامہ سید سلیمان ندویؒ نے پروفیسر براؤن اور پروفیسر مارگولیتھ کو اس وقت خط لکھا، جب ترکی میں خلافت کے امکانات پیدا ہو گئے تھے، اور ایک وفد لندن مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مذہبی رہنمائی میں بھیجا گیا، برید فرنگ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

> ''یہاں مستشرقین میں براؤن ہمارے ساتھ ہیں، اور مارگولیتھ ہمارے مخالف، براؤن صاحب کو چار صفحہ کا عربی میں حالاتِ حاضرہ پر خط لکھا ہے، اور ان سے تائید چاہی ہے، اپنی کتابیں بھیجی ہیں، دیگر مستشرقین سے بھی اس مسئلہ میں خط و کتابت کا ارادہ ہے۔''(۱)

---

(۱) برید فرنگ:۳۹

عربی شاعری:

علامہ سید سلیمان ندویؒ عربی نثر نگاری کے ساتھ عربی شاعری میں بھی کمال اور قدرت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں صاف ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا، وہ برجستہ شاعری کرتے تھے۔ان کی شاعری کے اہم موضوعات جو''الضیاء''میں شائع ہوئے وہ مرجع ہیں:

"أنين الإسلام في الهند، تهنئة الأستاذ شبلي النعماني، يا مسلمي الهند، المسرة ماهي، الشمس في الشفق عند مغيبهااورحبّ الوطن.

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شعری خصوصیات کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''سیّد صاحب کو صرف نثر ہی نہیں، بلکہ عربی شاعری سے بھی دلچسپی تھی، انہوں نے مختلف موضوعات پر شعر کہے ہیں، ان کی شاعری لطافت شعور، حسن تخیل کے ساتھ مکارمِ اخلاق اور علوم ومعارف کا گنجینہ ہے، اس میں لطافت واثر، حسن ورعنائی اور سادگی وپرکاری کا حسین امتزاج ہے۔ حالاں کہ اتنے سہل اور فطری انداز میں شعر کہنا ایک ایسے شخص کے لیے جس کی نشوونما عربی ماحول میں نہ ہوئی ہو اور نہ اسے اہل زبان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا ہو انتہائی مشکل کام ہے، جس میں شاذ ونادر ہی کسی کو کامیابی ملتی ہے، لیکن بسا اوقات ممتاز وباکمال اہل قلم کی نگارشات عالیہ اور ان کے ادبی شہ پاروں کا مطالعہ اس کا بدل بن جاتا ہے، اور دراصل اس سے سیّد صاحب کے ادبی ذوق اور سلیقہ کی تشکیل ہوئی ہے۔''(۱)

سید محمد ہاشم اپنی کتاب ''سیّد سلیمان ندوی'' ص: ۳۷۰ میں رقم طراز ہیں:

> ''سید صاحب کے قیام پاکستان کے زمانہ میں ان کے ایک دوست سفیر شام متعینہ پاکستان عمر بہاء الأمیری نے سیّد صاحب سے ان کا عربی کلام

(۱) مطالعہ سلیمانی: ۳۸۲

شائع کرانے کے ارادہ سے لیا، پھر اس کے بعد وہ نایاب ہے،'' بہر حال یہاں اس سلسلے میں شاہ معین الدین احمد ندوی کے اس قول پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ''سیّد صاحب عربی کے ممتاز ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔''

اشعار کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں:

کــأنــمــا الشـفـق الممتد فی الأفق — خــمــر معـتـقة شُـجـت لـمـغـتبـق

خــمــر تــعـتـقهـا أعـلـی هـمـالية — شُـجـت بـمـاء غـمـام هـامر غدق

كف الـطبيـعة تسقی الناس أكؤسها — ويـل لـمـن هـذه الصهباء لم يذق

تـحسو القلوب حمياها إذا نظرت — إلـی السمــاء بــأقداح من الحدق

والـطيـر تشـربهـا حين تروح إلى — أوكارها صافرات السجع فی حلق

(البيان ذو الحجة ١٣٢٦هـ)

ایک دوسرا قصیدہ حب الوطن کے عنوان سے ہے:

كيف الـوصول الى أهلی و أوطانی — بيـنــی و بيـنهـم جـدران قيعـا ن

هـل من سبيل اليهم بعد ما قنطوا — من عودتی و رجوعی بعد أزمان

كيف التلاقی وأرض الحب شاسعة — يـاليتـنـی كنت طيراً لی جناحان

كـأن حبـلا بـقـلبـی ظل يجذبنی — إذا ذكـرت الـی أهـلـی و أوطـانی

(البيان رجب و شوال ١٣٢٧هـ)

یہ ایک اجمالی تذکرہ ہے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی عربی زبان وادب میں خدمات کا۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا عربی زبان وادب کے فروغ میں زبردست حصّہ ہے، انہوں نے عصر حدیث کے اسلوب کے مطابق اپنی نثر وشاعری کو ترقی دی، اللہ تعالیٰ نے انھیں دردمند دل عطا فرمایا تھا، اس کے اثر سے غیر معمولی قوت پیدا ہوتی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ
اور اردو زبان وادب

اردو زبان وادب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شخصیت ''کہکشاں کی انجم میں جیسے ہو ماہ تمام'' کی مصداق ہے، ان کا اسلوب، انداز بیان، طرز نگارش جداگانہ اور امتیازی شان رکھتا ہے، ان کی ذات میں فیاض ازل نے صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر، کہنہ مشق صحافی اور نقاد فن کی صفات جمع کر دی تھیں۔

اردو زبان وادب کا ذوق

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے علامہ شبلیؒ سے زبان وادب میں خوب فیض اٹھایا تھا، علامہ شبلیؒ ایک دبستان کے مالک ہیں، اور ان کے اسلوب کے بارے میں ایک معروف اہل قلم نے لکھا ہے:

> ''علامہ شبلی کی نثر نگاری کا وصف اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ سرسید نے ایک کان سے اردو کی نثر نگاری کا ایک ہیرا نکالا، حالی نے اس میں غیر معمولی جلا پیدا کی، اور نذیر احمد، محمد حسین آزاد نے اس میں اور چمک دمک پیدا کی، مگر جس نے اس ہیرے کو کوہ نور بنا دیا وہ علامہ شبلی نعمانیؒ ہیں، اس کوہ نور کا پرتو ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تحریر میں دکھائی دیتا ہے۔''(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ادبی کارناموں کا آغاز ندوۃ العلماء کے ترجمان ماہنامہ ''الندوہ'' سے کیا، اس میں بیش قیمت مضامین لکھے، جو علمی، ادبی، تاریخی موضوعات پر مشتمل تھے، پھر الہلال کی ادارت میں شریک ہوئے، تو اپنے علم وادب سے اس کو درجۂ کمال تک پہونچایا، مسجد کانپور کی شہادت کے حادثہ پر الہلال پر جو مضمون علامہ سید سلیمان

(۱) مولانا سید سلیمان ندویؒ: ۲/۳۷

ندویؒ نے سپرد قلم کیا، وہ آج بھی قوت وتاثیر میں ایک نمونہ ہے۔

۱۹۱۶ء میں دارالمصنفین کا ترجمان معارف علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ادارت میں جاری ہوا، تو اس کے اداریئے تقریباً ۳۵ رسال تک علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تحریر کئے، اور وہ شذرات کے عنوان سے شائع ہوتے تھے، اور زبان وادب کے لحاظ سے شاہکار شمار کئے جاتے ہیں، ہر شمارہ میں نئے نئے موضوعات پر شذرات نویسی علم وادب اور تحقیق و تنقید کی دنیا میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے، ان شذرات کا مجموعہ تین جلدوں میں ''شذرات سلیمانی'' کے نام سے دارالمصنفین سے شائع ہو چکا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اردو اسلوب کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:

> ''سید صاحب کی نثر پر اگر قلم اٹھایئے تو دیدہ و دل حیران کہ شروع کہاں سے کیجئے اور خط کہاں پہونچ کر کھینچئے، سیرت النبی کی ضخیم مجلدات سے لے کر خیام، خطبات مدراس، اور رحمت عالم تک بڑی اور چھوٹی کتابوں تک کون سی ایسی کتاب ہے، جہاں سلیمان ایک خشک ملّا نے معلوم ہوتے ہیں، اور صحت زبان وسلاست بیان نمایاں نہ ہو، شستگی، متانت، شرافت یہ تو ان کے اسلوب کے جوہر اصلی ہیں، اور اس میں شوخی وظرافت کی گلکاریاں اور حسن صناعت کی سحر طرازیاں جیسے خاتم سلیمانی میں نگیں۔''(۱)

ادبی تصنیفات:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ادبی تصنیفات میں نقوش سلیمانی ایک اہم مجموعہ ہے، اس میں علمی سیمیناروں میں پیش کئے گئے اردو زبان و ادب سے متعلق خطبات اور مقالات، اور ادبی کتابوں پر لکھے گئے مقدمات بھی شامل ہیں۔ اور بقول مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ:

> ''یہ اردو زبان کی پوری تاریخ اور گذشتہ چوتھائی صدی میں اردو سے

(۱) صدق جدید لکھنؤ ۲۹ رجنوری ۵۴ء

متعلق جو مسائل پیش آئے ان کی پوری سرگذشت ہے۔''(۱)

اس مجموعہ میں ہندوستان کی اہم اردو کانفرنسوں میں پیش کئے گئے ۶ رخطبات اور معارف میں شائع شدہ ۱۴ رمقالات اور اردو کتابوں پر لکھے گئے (۹) مقدمات ہیں، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں منظر عام پر آیا، پھر متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔

اردو زبان و ادب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ادبیات کا اعلیٰ نمونہ ان کے مکاتیب ہیں، مکاتیب کے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں:

بریدفرنگ (مرتبہ علامہ سید سلیمان ندوی)

مکاتیب سلیمان (مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی)

مکتوبات سلیمانی (مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی)

خطوط سلیمانی (مرتبہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری)

ان کے علاوہ متفرق خطوط تو کئی کتابوں میں ہیں۔

ناقدین ادب کا خیال ہے کہ خطوط میں انسانی احساسات کا جس قدر مؤثر اظہار ہوتا ہے، دوسری اصناف کلام میں وہ قوت و تاثیر نہیں، اس وجہ سے اس کو اصناف ادب میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، خواہ غالب کی خطوط نگاری ہو، یا سرسید احمد خان کی، علامہ شبلی کے مکتوبات ہوں یا ڈاکٹر اقبال اور مولانا آزاد کے، علامہ شبلی کی خطوط نگاری کے بارے میں نقوش مکاتیب نمبر میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی یہ عبارت نذر قارئین ہے: ''شبلی کا ہر خط ایک زعفران کا پھول ہے، جس میں باغ فردوس کی خوشبو ہے، ایجازیوں بھی شبلی کی تحریر کا خاصہ ہے، مگر جو ایجاز ان کے خطوط میں ہے، اسے جان اعجاز ہی کہا جا سکتا ہے۔''(۲)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسی اسلوب میں خطوط نگاری کی ہے، ۱۹۲۰ء میں یورپ کا سفر کیا، یہ سفر وفد خلافت کی شکل میں تھا، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے احباب کو دوران سفر جو خطوط لکھے ان کو بریدفرنگ کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، ان خطوط میں وہ تمام

(۱) حیات سلیمان ص: ۴۷۵ (۲) نقوش مکاتیب نمبر ج ۲۹

خصوصیات پائی جاتی ہیں، جوفن خطوط نگاری کا لازمہ ہیں۔ یہ خطوط علمی، ادبی اور سیاسی معلومات کا خزانہ ہیں،نمونہ کے طور پر برید فرنگ کی یہ عبارت پڑھئے:

''سفر یورپ کے خاتمہ پر اپنا سیاسی ایمان وعقیدہ اب آپ کے سامنے اور آپ کے ذریعہ تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہوں.....اگر ہم کعبہ اور مرقد اخضر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں تو ہم کو ہندوستان آزاد کرانا چاہئے، اب ہندوستان کی آئینی آزادی میں کوشش صرف بنیادی مسئلہ نہیں، بلکہ دینی فرض اور مذہبی حق ہے،اب علمائے کرام کو نہ صرف درس وافتاء کی خدمت انجام دینا چاہئے، بلکہ ان کو صحیح راستے سے مسلمانوں کو وہ سمجھانا چاہئے،جس سے وہ اپنے ملک کے آپ مالک ہوں۔''(۱)

مکاتیب سلیمان: یہ مولانا مسعود عالم ندویؒ کے نام علامہ سید سلیمان ندوی کے خطوط کا مجموعہ ہے، اس میں ۱۴۵/خطوط ہیں، اور یہ کتاب ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی، اس مجموعہ میں پہلا خط ۱۹۲۸ء کا ہے، اور آخری ۱۹۵۳ء کا ہے، اس میں ایک طالب علم کو ایک استاذ کس قدر عزیز رکھتا ہے، اور کیسے گراں قدر مشورے دیتا ہے، اور طالب علم کو بھی کس طرح ہر معاملہ میں اپنے استاذ سے مشورہ کرنا چاہئے، اور ادب واحترام کے ساتھ ان کی رائے کی قدر کرنی چاہئے، اس کی پوری تفصیل موجود ہے، مثال کے طور پر علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میرا ایک مشہور فقرہ ہے، شاید آپ سے بھی کہا ہو کہ محمود بننا مشکل نہیں، ایاز بننا مشکل ہے، اپنی طبیعت کے خلاف اور نفس پر جبر کر کے کسی ایک کے تابع ہو کر چلنا کتنا مشکل کام ہے، مگر سلامتی طبع سے منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ یہی ہے، وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے۔''(۲)

مکتوبات سلیمانی: یہ کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے نام لکھے، یہ خطوط دو جلدوں میں مرتب کئے گئے

(۱) برید فرنگ:۱۷۹ (۲) مکاتیب سلیمان:۶۵

ہیں، پہلا خط ۱۹۱۲ء میں لکھا گیا، اور آخری خط ۱۹۵۳ء میں، مولانا دریابادیؒ نے اپنے مفید اور قیمتی حواشی کے ساتھ ان خطوط کو شائع کیا ہے، اور بقول مولانا سید عروج احمد قادریؒ:

''ماجد صاحب کے یہ حاشیے قل ودل کی بہترین مثال ہیں۔''(۱)

ان خطوط میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ملکی اور بین الاقوامی حالات، علمی اور تعلیمی اور سیاسی سرگرمیاں اور ان کی تفصیلات بڑے بے تکلف اسلوب میں بیان کی ہیں، اور جابجا باہمی مشوروں کی روداد بھی ہے، زبان و بیان کے لحاظ سے ان میں جو سادگی، پرکاری، برجستگی اور فطری حسن ہے، وہ سہل ممتنع سے تعلق رکھتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اردو شاعری:

اردو نثر نگاری کی طرح اردو شاعری میں بھی علامہ سید سلیمان ندویؒ کو کمال حاصل تھا، اگر چہ شاعر کی حیثیت سے اپنا تعارف پسند نہیں کرتے تھے، زمانہ طالب علمی سے، بلکہ بچپن ہی سے شعر وسخن کا ذوق علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اندر پیدا ہو گیا تھا، اور انہوں نے اردو شاعری کے ساتھ فارسی شاعری کی تھی، رفتار عمر کے ساتھ اس میں ترقی ہوتی گئی، اور ایک مجموعہ تیار ہو گیا، جس کو مولانا غلام محمد حیدر آبادی نے ۱۹۶۶ء میں ''ارمغان سلیمان'' کے نام سے مرتب کیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ پر ابتدا میں امیر مینائی کا اثر تھا، چونکہ لکھنؤ کا ماحول ان سے متأثر تھا، اس کے بعد اکبر الہ آبادی، مولانا حالی اور علامہ شبلی سے متأثر رہے، ان کا تخلص ''رمزی'' ذکر کیا گیا ہے، اور کبھی وہ سید اور کبھی سلیمان بھی تخلص لکھا کرتے تھے، مولانا غلام محمد حیدر آبادی نے ان کی شاعری کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے: ایک دور ۱۹۰۴ء سے ۱۹۳۵ء تک، دوسرا دور ۱۹۳۵ء سے وفات تک۔ لیکن شاہ معین الدین احمد ندوی نے علامہ سید سلیمان ندوی کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے:

---

(۱) زندگی رامپور، اپریل ۱۹۶۴ء

پہلا دور: طالب علمی کی شاعری۔اس دور کی شاعری میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے امیر مینائی کی پوری پیروی کی ہے،اس عہد کے چند اشعار نذر قارئین ہیں:

دست نازک سے اٹھاتے ہیں وہ میت میری
بعد مرنے کے تھکانے لگی میت میری
چین سے بیٹھنے دے گی نہیں ہم دونوں کو
تجھے یہ شوخی تیری ، مجھے یہ وحشت تیری
چاہے تم آج نہ ہو میری وفا کے قائل
پر تمہیں یاد آئے گی کبھی الفت میری

دوسرا دور: دارالمصنفین کے قیام ۱۹۱۴ء سے حضرت تھانویؒ سے تعلق روحانی تک ہے،اسی زمانہ میں علامہ شبلی پر نوحہ استاذ بھی کہا،اور حضرت تھانویؒ کی رحلت پر مرثیہ بھی ، جون ۱۹۱۷ء میں مولانا محمد علی جوہر جیل میں تھے، وہاں سے انہوں نے ایک غزل بھیجی،جس کا ایک شعر ہے:

ہو حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا ہو صدق طلب پھر اثر آپ رسا دیکھ

اس غزل کی زمین میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کئی اشعار کہے: چند ملاحظہ ہوں:

تشہیر کا باعث نہ ہو دامان قبا دیکھ
لائے نہ کہیں رنگ یہ ، خون شہداء دیکھ
یہ عالم امکاں ہے تماشا گہ قدرت
جو کچھ یہاں دکھلائے تجھے دست قضا دیکھ
انکار تھا تجھ کو میری تاثیر دعا سے
اب میری طرف دیکھ تو تاثیر دعا دیکھ
نکلے گا وہ خورشید جمال آج ادھر سے
اڑ جائیں مری خاک کے ذرے نہ صبا دیکھ

مقبول ہو اے یوسف زنداں میرا تحفہ
لایا ہے جو پیغام ہر شہر سبا دیکھ

تیسرے دور کی شاعری معرفت حق اور ربانیت کی صفات ہیں، مولانا غلام محمد علامہ سید سلیمان ندویؒ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

''میری اس دور کی شاعری کا آغاز حضرت والا (تھانوی قدس سرہ) کے تعلق سے ہوا، اور انجام بھی، حضرت ہی کی رحلت پر ہو گیا، بعد میں مشکل سے دو چار غزلیں ہوئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی موجودگی میں جذبات کا وفور رہتا تھا، جو پھر باقی نہیں رہا۔''(۱)

اس دور کے رجحان کی ترجمانی اس شعر سے ہوگی:

فیض ہے یہ کس ولی وقت کا
اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

اس دور کی شاعری میں یہ اشعار پڑھئے:

جس دن سے مرے دل میں تیری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں
ہر سمت نظر آتے ہیں ہر وقت وہ مجھ کو
دوری مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں

ان اشعار کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک مستند اور کہنہ مشق شاعر تھے، انہوں نے حمد، نعت، غزل، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ اصناف سخن میں شاعری کی ہے اور یہ شاعری گل وبلبل کی داستان شیریں نہیں، بلکہ مقصدیت اور معنویت کی روح سے معمور ہے، اور اللہ تک پہونچانے کا ذریعہ بھی ہے۔

نمونے کے طور پر فارسی کے چند اشعار بھی ذکر کئے جا رہے ہیں، یہ اشعار انہوں

(۱) ارمغان سلیمان مقدمہ

نے اس وقت کہے تھے، جب علامہ شبلی نعمانیؒ ۱۹۰۵ء میں ندوۃ العلماء کی خدمت کے لئے یکسو ہو گئے: ملاحظہ ہوں:

بیانش ابر باراں است می بخشد چومی بارد
ببوم شور سر سبزی و سبزہ را فراوانی
مسیحادم ، باعجاز قلم جاں دگربخشد
بحکم قم باذن اللہ آن تن را کہ شد فانی
بخواہم از خداوندے کہ نامش حی و قیوم است
بماند زندہ جاوید ایں شبلی نعمانی
نوشتم چوں مدیح حضرت الاستاذو بر خواندم
ندا آمد مرا از پردۂ ناموس ربانی
دلیل فضل ممدوحت زمدح تو ہوید اشد
بہ پیش مور سر نہی کہ ہمنام سلیمانی(۱)

(ان کا بیان بارش کے بادل کی طرح ہے جو برستا ہے تو انعام کرتا ہے، جو ہری بھری زمین کی ہریالی میں اور اضافہ کرتا ہے، عیسی کے دم کی طرح ان کے قلم کی طاقت ہے، جو جاں بخشتی ہے، ان کے حکم قم باذن اللہ کے ذریعہ، اس جسم کو جو مردہ ہو چکا ہے، میں اس خدا سے دعا کرتا ہوں جس کا نام حی، قیوم ہے، یہ شبلی نعمانی ہمیشہ زندہ وجاوید رہیں، میں نے جب استاذ محترم کی تعریف لکھی اور پھر پڑھا، مجھ کو فرشتہ کی یہ صدا میرے کانوں میں آئی: تیری ممدوح کی فضیلت تیری مدح سے معلوم ہوئی)

(۱) حیات شبلی: ۶۱۱

علامہ سید سلیمان ندویؒ
اور اُردو صحافت

صحافت عصر جدید کی ایک اہم صنف ہے، اس کے ذریعہ ترسیل معلومات اور رائے عامہ کی ہمواری کا کام لیا جاتا ہے، اس کی ابتدائی شکل اگرچہ پہلے ہالینڈ، جرمنی اور اٹلی میں پائی گئی، لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اس کے اثرات رسائل و جرائد کی صورت میں ظاہر ہوئے، اور اردو کا پہلا ہفت روزہ اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۸۲۲ء میں نکالا گیا، اس کے بعد اخبارات کا ایک تسلسل ہے، اور بقول لارڈ کیننگ: ''ہندوستانی اخباروں نے بغاوت کو ہوا دی، جذبۂ حریت کو پروان چڑھایا، اور انگریز دشمنی اور باغیانہ خیالات سے اپنی خبروں کو بھرا، اور مکر و فریب کا راستہ اختیار کیا۔''(۱)

ماہنامہ الندوہ لکھنؤ:

ندوۃ العلماء نے اردو صحافت کے میدان میں نمایاں کارنامہ انجام دیا، اس کا پہلا رسالہ اردو زبان میں ''الندوہ'' کے نام سے ۱۹۰۴ء علامہ شبلی نعمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کی ادارت میں شائع ہوا، اور ۱۹۱۶ء تک جاری رہا۔ الندوہ کا مقصد اس کے سرورق پر لکھا ہوا تھا: ''علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ''۔

ندوۃ العلماء کا ترجمان الندوہ جب نکلا تو علامہ سید سلیمان ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھے، اس کا مختصر تذکرہ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے قلم سے پڑھئے:

''الندوہ ایک نیم علمی مذہبی رسالہ تھا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تین

(۱) ہندوستان میں اسلامی صحافت: ۴۷

چوتھائی علمی اور صرف ایک چوتھائی مذہبی، اس لئے کہ اس کے جو مضمون مذہبی ہوتے تھے وہ بھی تاریخی، فلسفیانہ اور تمدنی غرض کوئی نہ کوئی علمی ہی رنگ لئے ہوتے تھے، علامہ شبلی کا معیار عصری تقاضوں کے دیکھتے ہوئے نہایت بلند تھا، اس لئے الندوہ میں ہما شما مقالہ نگاری کی ہمت بھی نہ کرتے تھے''(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی میں الندوہ کے مقصد اجراء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الندوہ کے اجراء کا ایک مقصد طلبہ دار العلوم کی تربیت بھی تھی، اس وقت وقتاً فوقتاً ہونہار و باصلاحیت طلبہ میں سے اس کے نائب اڈیٹر مقرر کئے جاتے تھے، تاکہ ان میں سلیقہ تحریر و تصنیف کے ساتھ رسالہ کو مرتب کرنے اور اس کے معیار کو پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اس کے پہلے نائب اڈیٹر مولانا عبداللہ عمادی ہوئے۔''(۲)

تاریخ ندوۃ العلماء سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مولانا آزاد اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک اس کے اڈیٹر رہے، انہوں نے ''مسلمانوں کے ذخیرۂ علوم اور یورپ'' پر پہلا مضمون لکھا، جو الندوہ میں شائع ہوا، اس کے علاوہ انہوں نے دوسرے مضامین لکھے، لیکن وہ اپریل ۱۹۰۶ء میں وکیل اخبار امرتسر چلے گئے، ۱۹۰۶ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ دار العلوم میں آخری سال میں تھے، ان کے کئی مضامین اس سے پہلے الندوہ اور دوسرے رسالوں میں شائع ہو چکے تھے، اس لئے ان کو الندوہ کا سب اڈیٹر بنایا گیا، اور یہ سلسلہ ۱۹۱۲ء تک رہا۔

الندوہ ۳۲ رصفحات پر مشتمل ہوتا تھا، اس وقت ندوۃ العلماء کے مددگار ناظم مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے نام سے اس کا رجسٹریشن تھا، اور وہی اس کے منیجر رہے، اس کے سب اڈیٹران میں مولانا عبدالسلام ندوی (صاحب شعر الہند) مولانا اکرام اللہ ندوی، مولانا میر عبدالکریم علوی رہے، لیکن علامہ سید سلیمان ندوی کا زمانۂ ادارت سب سے زیادہ طویل اور ثمر آور رہا، اور بقول مولانا محمد نعیم صدیقی ندوی:

---

(۱) صدق جدید لکھنؤ ۲۲ رجنوری ۵۴ء سید سلیمان ندوی اڈیٹر کی حیثیت سے (۲) حیات شبلی: ۴۴۳

''علمی رسائل میں شذرات نگاری علامہ شبلی کی سنت ہے، وہ اس کی اہمیت اور لزوم کے شدت سے قائل تھے، سید صاحب کے نام اپنے خطوط میں برابر اس کے لکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے، اسی تربیت کا اثر تھا کہ ''الندوہ'' اور پھر بعد میں رسالہ ''معارف'' میں لکھے ہوئے سید صاحب کے اسم بامسمی شذرات (سونے کے ڈلے) آج تک سرمۂ سلیمانی بنا کر آنکھوں سے لگائے جاتے ہیں۔''(۱)

رسالہ الندوہ اگرچہ ۱۹۱۶ء کے بعد جاری نہ رہ سکا، لیکن اپنی روح اور پیغام کے ساتھ قارئین اور فیض یافتگان کے سینوں میں موجود رہا، یہی وجہ ہے کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے دور معتمدی میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی ادارت میں اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، اس کا پہلا شمارہ جب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو ملا تو انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

''تیس سال پہلے کا الندوہ علمی و تحقیقی مضامین کا خزانہ تھا، اس میں کوئی مضمون سرسری یا سطحی شائع نہ ہوتا تھا، خبریں بھی وہی شائع ہوئی تھیں، جو علمی شان لئے ہوتیں، تازہ واردان بساط علم اس سے سبق حاصل کرتے تھے، مثلاً ۱۳۲۲ھ کے رسالوں میں ایک عزیز نام ہے: ''سید سلیمان بہاری متعلم دارالعلوم'' ترقی کر کے آج بزم شبلی کا صدر نشیں ہے، اور مولوی سید سلیمان ندوی کے نام سے ہمارے ملک، بلکہ سارے عالم اسلامی میں مشہور و معروف۔''(۲)

نشأۃ ثانیہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے شذرات بھی لکھے اور مضامین بھی، وہ مضامین الندوہ کی فائلوں میں ہیں، اسی میں اپنی محسن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، جو خاص طور سے قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔

---

(۱) علامہ سید سلیمان ندویؒ: شخصیت و ادبی خدمات: ص: ۲۷۸) (۲) الندوہ جنوری ۱۹۴۰ء

ہفت روزہ الہلال کلکتہ:

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے آغاز عمر میں الندوہ سے بھی وابستہ ہوئے، پھر امرتسر میں وکیل نامی اخبار میں اپنی علمی سرگرمی جاری رکھی، اس کے بعد کلکتہ سے ۱۳؍جولائی ۱۹۱۲ء میں الہلال نکالا، یہ ہفت روزہ اخبار تھا، وہ اس کے مدیر مسئول تھے، انہیں رسالہ کے علمی کاموں کے لئے رفقائے کار کی ضرورت تھی، ادھر ندوۃ العلماء میں علامہ شبلی کے استعفاء کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی انتقال مکانی کے خواہاں تھے، اس لئے مولانا آزاد کی درخواست پر اس کے رسالہ الہلال کی ادارت میں شرکت کی، اور مضامین ومقالات لکھے، چونکہ الہلال میں مضمون نگاروں کے مضامین نہیں چھپتے تھے، اس لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مضامین کی شناخت نہیں ہوسکی، مولانا محمد نعیم صدیقی ندوی کی صراحت کے مطابق: ۳۴؍مضامین جو الہلال میں شائع ہوئے، وہ علامہ سید سلیمان ندوی کے ہیں، جن میں الحریۃ فی الاسلام (چھ قسطیں) مشہد اکبر قسط اول، قصص بنی اسرائیل، عربی زبان اور علم اصطلاحات، علوم القرآن، افکار حوادث، مدراس اسلامیہ وغیرہ جلی عنوانات ہیں۔

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ:

دارالمصنفین کے قیام کے بعد ایک علمی رسالہ کا اجرا اس کے منصوبے میں تھا، اور اس کا نام معارف بھی طے کردیا گیا تھا، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۱۶ء میں اس کو جاری کیا، اور وہی اس کے ایڈیٹر رہے، مضامین کا انتخاب، ان کا تنوع، شذرات اور نئے رفقاء سے تحقیقی مقالات لکھوا کر شائع کرنا یہ سب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے روز وشب کے مشاغل تھے، ۱۹۲۰ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ آٹھ مہینے کے لئے یورپ کے سفر پر تشریف لے گئے تو مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے معارف کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، پھر ۱۹۴۶ء میں جب علامہ سید سلیمان ندویؒ بھوپال منتقل ہوگئے تو مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ان کے شریک ادارت رہے، اور ایک سال کے لئے مولانا ریاست علی ندویؒ بھی

۱۹۴۷ء میں رہے، لیکن جب علامہ سید سلیمان ندویؒ پاکستان منتقل ہو گئے تو قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے جولائی ۱۹۵۱ء سے مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کی ادارت میں معارف شائع ہونے لگا۔

معارف سے پہلے علامہ سید سلیمان ندویؒ الندوہ اور الہلال کی ادارت کی ذمہ داریاں سنبھال چکے تھے، اس لئے اس رسالہ میں ان کو زیادہ زحمت نہیں پیش آئی، لیکن اندازہ لگائیے کہ معارف کا ابھی بالکل آغاز ہے، اس کے لئے مضامین جمع کرنا، بلکہ دو ایک تحقیقی مضمون لکھنا، شذرات تیار کرنا، علمی کتابوں پر تبصرہ تیار کرنا، مزید یہ کہ دار المصنفین کے نظام کے مطابق تصنیف و تالیف میں مشغول رہنا، ملکی مذہبی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لینا، اور علمی کانفرنسوں میں شریک ہونا یہ کام بڑی محنت و ریاضت کے طالب تھے، یہی وجہ ہے کہ مولانا دریابادیؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''دار المصنفین کے قیام اور معارف کے اجراء کے ابتدائی زمانے میں انہیں روزانہ بارہ گھنٹے مسلسل تحریر و تالیف کا کام کرنا پڑا ہے، اسی باعث ۱۹۱۶ء کے وسط ہی سے ان کی بینائی متاثر ہونے لگی تھی۔''(۱)

معارف کے معیار کو بلند رکھنے کے لئے دوسرے اہل قلم سے بھی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مضامین لکھوائے، جن میں مولانا ابو الکلام آزاد بھی تھے، ان کا سلسلۂ مضامین غیر مسلموں کا مسجد میں داخلہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور لندن و امریکہ سے علمی رسائل و جرائد بھی منگوائے، اور ان کے اہم مضامین کی تلخیص بھی شائع کی، اسی طرح مصر و عالم عربی سے عربی جرائد و مجلّات منگوائے، اور ان کے مضامین اور علمی تحقیقات سے قارئین معارف کو روشناس کرایا۔

علامہ اقبال نے معارف کی علمی پذیرائی اور مقبولیت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''یہی ایک رسالہ ہے، جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے'' مولانا آزاد

(۱) مکتوبات سلیمانی ج ۱/۵۵

نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کو ایک خط میں لکھا:

''معارف کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں، صرف یہی ایک پرچہ ہے، اور ہر طرف سناٹا ہے، بحمد اللہ مولانا شبلی کی تمنائیں رائیگاں نہیں گئی، اور صرف آپ کی بدولت ایک ایسی جگہ بن گئی، جو خدمت علم وتصنیف کے لئے وقف ہے۔''(۱)

جون ۱۹۲۷ء میں معارف کے شذرات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

''گو بعد میں اردو رسائل کی دنیا میں بڑے انقلابات اور تغیرات پیدا ہو گئے، لیکن معارف جس وقت نکلا تھا تو زمانہ (کانپور) الناظر (لکھنؤ) نقاد (آگرہ) اور مخزن (لاہور) کے سوا کوئی قابل ذکر رسالہ موجود نہ تھا، اور ان میں الناظر کے سوا بقیہ تمام رسائل کا سرمایہ تمام تر ادبیات تھا، سنجیدہ، ٹھوس، علمی اور محققانہ مضامین کی ملک میں نہ مانگ تھی اور نہ درآمد تھی، معارف اس غیر مطلوبہ سامان کو لے کر جب بازار میں آیا تو خلاف توقع قدردانوں نے اس کو پسند کیا، اور ہاتھوں ہاتھ لیا'' (معارف، شذرات اپریل ۱۹۲۳ء)۔

معارف ایک علمی وتحقیقی مجلّہ ہے، اس میں اسلامی، ادبی اور ثقافتی، تاریخی موضوعات پر تحقیقی مقالات شائع گئے، اور تنوع کو برقرار رکھا گیا، اسی تنوع کے پیش نظر اگر اس کے مضامین کو مرتب کیا جائے تو علوم اسلامیہ کا ایک انسائیکلو پیڈیا تیار ہوسکتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کئی تحقیقی مضامین ایسے لکھے، جو قسطوں میں شائع ہوئے، اور بہت مقبول ہوئے، پھر ان کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا تو مستقل تصنیف ہوگئی، اس سلسلہ میں رسالہ اہل سنت والجماعت، حیات امام مالک، خلافت اور ہندوستان، خلافت اور دنیائے اسلام، سفرنامہ افغانستان وغیرہ ہیں، نقوش سلیمانی کے نام سے علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ادبی مضامین کا ایک وقیع مجموعہ ہے، یہ مضامین بھی معارف میں شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے شذرات خواہ وہ الندوہ میں ہوں یا معارف میں،

(۱) مکاتیب ابوالکلام بنام سید سلیمان مطبوعہ معارف اکتوبر ۱۹۵۳ء

خاص طور پر مقبول ہوئے ،شذرات کے سلسلہ میں انہوں نے جون ۱۹۱۹ء میں معارف میں لکھا تھا کہ ''مضامین کے لحاظ سے جدت خاص یہ ہوگی کہ شذرات میں ہر مہینہ کے اہم علمی حوادث کے متعلق تبصرہ ہوگا''۔

اس اجمال کی تفصیل مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے قلم سے پڑھئے:

''صاحب معارف کی شذرات نگاری ایک خصوصی و امتیازی شان رکھتی ہے، بے لاگ ،لیکن نہ درشت نہ کرخت ،عمیق ،لیکن نہ ادق نہ مغلق ، رنگین ،لیکن نہ پرتکلف نہ ثقیل ،سلیس لیکن نہ سطحی نہ عامیانہ ،شگفتہ لیکن نہ ناولانہ نہ خطیبانہ ، جاندار ،لیکن نہ گرما گرم نہ پرخروش ،صالح ،لیکن نہ خشک نہ مولویانہ ،سلیمانی ادب وانشا کا اردو کی تاریخ ادب وانشا میں جو ایک خاص مقام ہے ...اس کی اصل بنیاد ہی معارف کے ادارتی صفحات سے پڑی ، اور معارف کے شذرات نے بہتوں کے لئے ایک نئی راہ کھول دی۔''(۱)

معارف میں شذرات نگاری کا یہ سلسلہ پاکستان ہجرت سے پہلے تک جاری رہا، ان کا مجموعہ تین جلدوں میں شذرات سلیمانی کے نام سے دارالمصنفین سے شائع ہو چکا ہے،مولانا عمیر الصدیق ندوی حال مدیر معارف نے لکھا ہے:

''شذرات کی شہرت عام اور بقائے دوام کا راز اصلی یہی ہے کہ ان میں سید صاحب کے علم وتحقیق کی تہہ میں ایمان واخلاص اور ان کی شرافت ذاتی کا چشمہ صافی مسلسل رواں دواں رہا۔''(۲)

قرآن وحدیث اسلام کے بنیادی ماخذ ہیں،ان کی تعلیمات کو عام کرنے کا مقصد اشاعت اسلام ہے، چنانچہ معارف نے اسی روح کے ساتھ صرف تحقیق انیق پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا ، بلکہ جہاں ایک طرف اسلام کے حوالہ سے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ، وہیں دوسری طرف اشاعت اسلام کی مہم میں زبردست حصہ لیا ،معارف مارچ ۱۹۳۶ء میں سید صاحب نے معارف کے حوالہ سے ایک صاحب نظر کا بیان نقل کیا ہے جس سے اس پہلو کی

(۱)صدق جدید لکھنؤ ۲۹؍جنوری ۵۴ء (۲)افکار سلیمانی:ص ۲۵۵

وضاحت ہوتی ہے:

''دارالمصنفین اعظم گڑھ جو مولانا شبلی مرحوم کی یادگار ہے، اس ادارہ نے جس درجہ علوم اسلامی کی تبلیغ اور حمایت میں ہمت صرف کی ہے اور اس کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہے شاید ہی کوئی اور ادارہ اس کی ہمسری کر سکے، معارف اس ادارہ کا ایک ماہانہ اردو رسالہ ہے جو اسلامی دنیا کی مختلف سرگرمیوں کی نمائندگی کرتا ہے، مولوی سید سلیمان ندوی اس ادارے کے روح رواں ہیں، تمام ہندوستان کے مسلمان ان کے اسلامی جوش اور علمی تبحر کے بے حد مرہون منت ہیں۔''(۱)

معارف کے علمی اور تحقیقی معیار کو بلند کرنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کئی ابواب قائم کیے، کچھ میں تغیر ہوتا رہا، لیکن جو ابواب شروع سے اب تک جاری رہے وہ حسب ذیل ہیں:

باب التقریظ والانتقاد	تلخیص وتبصرہ	اخبار علمیہ
آثار علمیہ وادبیہ	ادبیات	مطبوعات جدیدہ

معارف نے علامہ سید سلیمان ندوی کے قائم کردہ انہی خطوط پر سو سال پورے گئے، اور اس کا جشن بھی ۲۰۱۶ء میں بڑے تزک واحتشام منایا گیا، اب بھی ماشاءاللہ پوری پابندی کے ساتھ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سدا آباد رکھے۔

---

(۱) معارف مارچ ۱۹۳۶ء

مراجع کتاب

(۱) حیات سلیمان مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۸۰ء

(۲) تذکرہ سلیمان مولانا ڈاکٹر غلام محمد، ادارہ نشر المعارف، کراچی، طبع ثانی ۱۹۸۴ء

(۳) حیات شبلی مؤلفہ علامہ سید سلیمان ندوی دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۳ھ

(۴) حکیم الأمت نقوش وتأثرات مولانا عبدالماجد دریابادی، دار المصنفین، اعظم گڑھ

(۵) مکتوبات سلیمانی مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی، صدق ایجنسی لکھنؤ

(۶) پرانے چراغ حصہ اول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مکتبہ فردوس ومکتبۃ الشباب العلمیہ بار ہفتم ۲۰۱۴ء

(۷) تاریخ ندوۃ العلماء، مولانا محمد اسحاق جلیس ندوی، ومولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں، مجلس صحافت ونشریات اسلام لکھنؤ بار دوم ۲۰۰۳ء

(۸) علامہ سید سلیمان ندوی کے چند نادر خطبات ورسائل کا مجموعہ مرتبہ مولانا ڈاکٹر سید سلمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۲۰۰۳ء

(۹) یادرفتگاں ماہر القادری، مرتبہ طالب الہاشمی مکتبہ نشان راہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۵ء

(۱۰) چند عظیم شخصیات مفتی محمد شفیع عثمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۱۴۱۷ھ

(۱۱) مکاتیب سلیمان، مولانا مسعود عالم ندوی چراغ راہ، لاہور مئی ۱۹۵۴ء

(۱۲) افکار سلیمانی مرتب مولانا مجیب اللہ ندوی، ندوۃ التالیف والترجمۃ، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ ۱۴۲۰ھ

(۱۲) مطالعہ سلیمانی مقالات نمبر، مرتبہ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی، وڈاکٹر محمد حسان خان، ناشر دار العلوم تاج المساجد بھوپال، جون ۱۹۸۶ء۔

(۱۳) اسلامی ثقافت اور ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مکتبۃ الشباب العلمیۃ ندوہ روڈ، لکھنؤ ۲۰۱۴ء

(۱۴) علامہ سید سلیمان ندوی شخصیت اور ادبی خدمات ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، مکتبہ ندویہ لکھنؤ ۲۰۱۶ء

(۱۵) عبقریۃ العلامۃ السید سلیمان الندوی مؤلفہ ڈاکٹر سید تقی الدین فردوسی ندوی معہد الشاہ العالی للغۃ العربیۃ، پٹنہ، بہار ۲۰۲۰ء

(۱۶) السید سلیمان الندوی أمیر علماء الھند فی عصرہ وشیخ الندوییں، مؤلفہ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، دار القلم دمشق ۲۰۰۱ء

(۱۷) ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابنائے ندوۃ العلماء کی فقہی خدمات، مولانا منور سلطان ندوی، ناشر المعہد العالی الاسلامی، ۲۰۰۴ء

(۱۸) عربی زبان وادب کے ارتقاء میں سید سلیمان ندوی کی خدمات ڈاکٹر سطوت ریحانہ، مکتبہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ، ۲۰۰۲ء

(۱۹) اشرف السوانح ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ برقی پریس لکھنؤ

(۲۰) مشاہیر کے خطوط بنام مولانا سید سلیمان ندوی

(۲۱) دعوت فکر وعمل مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، بارسوم ۲۰۱۳ء

(۲۲) ارمغان سلیمان شعری مجموعہ مرتبہ ڈاکٹر غلام محمد حیدر آبادی دار المصنفین شبلی اکیڈمی ۲۰۱۹ء

(۲۳) یادگار سلیمان مرتبہ عبد القوی دسنوی مکتبہ الشرق، آرام باغ کراچی جنوری ۱۹۵۵ء

(۲۴) مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف مرتبہ صباح الدین عبد الرحمٰن

(۲۵) روح البیان شیخ اسماعیل حقی آفندی طبع ۱۲۸۷ء، مصر

(۲۶) ترجمہ قرآن مولانا احمد علی لاہوری

(۲۷) نکات سورۂ فاتحہ: مرتبہ مولانا محمد اویس ندوی حلقہ علمی کراچی

(۲۸) ہم نفسان رفتہ مؤلفہ رشید احمد صدیقی

(۲۹) سیرت النبی مکمل مکتبہ مدنیہ لاہور صفر ۱۴۰۸ء
(۳۰) ہندوستان میں اسلامی صحافت ڈاکٹر سلیم الرحمٰن خان ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
(۳۱) مطالعہ تصنیفات علامہ سید سلیمان ندوی انجمن الاصلاح معہد القرآن الکریم دار العلوم ندوۃ العلماء

رسائل وجرائد:

(۱) ماہنامہ معارف سلیمان نمبر ۱۹۵۴ء، دار المصنفین اعظم گڑھ
(۲) نقوش مکاتیب نمبر، پاکستان
(۳) صدق جدید لکھنؤ ۲۹ رجنوری ۵۴ء
(۴) الندوہ جنوری ۱۹۴۰ء
(۵) ریاض سلیمان نمبر پاکستان
(۶) مجلّہ ذکر وفکر نئی دہلی
(۷) البیان رجب وشوال ۱۳۲۷ھ
(۸) ماہنامہ تعمیر حیات ۲۵ راپریل ۲۰۰۵ء

۲۳۲

علامہ سید سلیمان ندویؒ

کے

تفسیری نکات

(دو جلدیں)

(سات ابواب میں بارہ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب
بے شمار نکات اور تفسیری حقائق کا مجموعہ ہے)

محمد فرمان ندوی
(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ